کچھ اشاعت اور ترتیب کے متعلق

اللہ کا شکر ہے کہ بہت سے مایوس کن مراحل سے گذر کر کتاب آپکے سامنے ہے۔ میں اپنی کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہوا؟ اس کا فیصلہ تو آپ ہی حضرات کر سکتے ہیں۔ مگر اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کتاب کو مرتب اور مزین کرنے میں اپنی امکانی کوششیں صرف کی ہیں۔

آپ حضرات کے کہنے سے پہلے میں خود اس کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے ان مکاتیب مبارکہ کی ترتیب میں دخل دے کر اور اسے شائع کر کے بڑی جرأت و جسارت سے کام لیا ہے اور اپنی حدود سے آگے بڑھ گیا ہوں۔ مگر میں نے سنا ہے کہ ایک چرواہا غایت عشق میں رب العالمین کی میزبانی کی تمنا کر رہا تھا اور مہمان کے لئے ساگ روٹی اور اپنی معیار کے مطابق بکری کا دودھ وغیرہ مہیا کر رہا تھا۔ اللہ میاں کو اسکی یہی ادا پسند آئی اور یہ حرکت اسکے لئے باعث نجات بن گئی۔ مجھے امید ہے کہ

پروردگار عالم میری اس گستاخی کو میرے لئے بھی باعث فلاح دارین بنادیگا۔

ممکن ہے کتاب کی ترتیب :۔ مضامین کے انتخاب وغیرہ میں آپ کو بہت سی خامیاں نظر آئیں۔ جن لوگوں سے مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے انکے کے لئے تو یہ کوئی غیر متوقعہ خبر نہو گی اور جن حضرات نے مجھے نہیں دیکھا وہ ایک ناکارہ۔ کم مایہ علم۔ اور حقیر ہستی کو پیش نظر رکھیں۔ مگر ایک غیر معمولی اور تکلیف دہ خبر دوران اشاعت میں پیش آگئی۔ جس نے میری تمام کوششوں پر تقریباً پانی پھیر دیا۔

کاپیاں مکمل ہو کر پریس میں آگئی تھیں۔ اور عرصہ کی تگ و دو کے بعد میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ صاحب المطبع نے دو روز کے بعد کتاب دینے کا وعدہ کر لیا۔ مگر اچانک بعض مجبوریوں کی بنا پر کتاب کے تقریباً دو جز نکالنے پڑے۔ اتنا تو مجھے یقین ہے کہ ان کے نکل جانیکی وجہ سے کتاب کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا کیونکہ جو مضامین اسوقت اسمیں موجود ہیں۔ وہ تمام کوششوں اور اشاعت کے مقاصد بحمد اللہ پورا کر رہے ہیں۔ (خدا کرے) مگر جن لوگوں نے کبھی کتابوں کی اشاعت میں کوئی حصہ لیا ہے۔

وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اس اچانک حملہ نے طباعت کے مراحل کو روز اوّل تک پیچھے لوٹا دیا۔

کسی کتاب کی طباعت کے عموماً دو ہی پہلو ہوتے ہیں۔ یا تو اس سے تجارتی منافع مدنظر ہوتے ہیں یا کسی خاص مضمون کی اشاعت اور اسکا پروپیگنڈہ۔ مگر میں بہت صفائی سے عرض کردینا چاہتا ہوں کہ اس پیشکش سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں بچپن اور تعلیم و تربیت کے راستوں سے گذر کر اپنی زندگی کی ایک نئی اور اہم شاہراہ پر گامزن ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس شاہراہ پر خضر راہ کے پیچھے چل سکوں۔ اور اپنی زندگی کے اس نئے دور کا آغاز اس عظیم الشان رہبری کے کروں۔ جیسا کہ پہلے گذارش کرچکا ہوں شاید یہی خدمت میری نجات کا سبب بن جائے۔ آمین

سیاست ملیہ کے مضامین کا تعلق اس دور سے ہے۔ جبکہ ہندوستان کی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت مدنی فارمولا کے نام سے جمعیتہ العلماء کا جو پروگرام آزاد ہندوستان کے لئے ترتیب دیا گیا تھا۔ وہ اگرچہ اسوقت بھی قوم کے ہر ہر فرد تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ مگر اسوقت تو قوم کے پروگرام میں ایک چیز یہ بھی شامل تھی کہ کوئی بات نہ سنی جائے اور ہر طرح

اس بات کی کوشش کی جائے کہ یہ علماء اپنی باتیں ہمارے کانوں تک نہ پہنچا سکیں۔ اور آج جبکہ پاکستان بن گیا۔ قوم کی دیرینہ آرزوئیں پوری ہوئیں۔ تو ان علماء سے اختلاف سب سے شدید تر ہوگیا۔ ایک خصوصی الزام یہ آیا کہ اگر یہ تقسیم نہوتی تو تمام ہندوستان میں کہیں مسلمان کو سر چھپانے کی جگہ نہ ملتی۔ اب ایک پاکستان تو ایسا ہے جہاں امن و چین سے گذار سکتے ہیں۔ خیر! یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ہندوستانی مسلمان پاکستان میں امن و چین سے گذار سکتے ہیں یا نہیں! ہم تو سیاست ملیہ کے مضامین کے ذریعہ صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں۔ کہ اگر ہندوستان تقسیم نہوتا۔ تو یہ نظام حکومت ہندوستان میں رائج ہوتا اور اسکا نفاذ حکومت متحدہ میں ناگزیر تھا۔ اگرچہ ان خطوط کا وقت گذر چکا ہے۔ مگر کیا حرج ہے کہ آج پھر آپ ٹھنڈے دل سے اس فارمولا پر غور کرلیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ یہ اعتراض کریں کہ یہ فارمولا مانتا کون؟ مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ اسے اعتراض کے طور پر سنا جائے اور اسکا جواب دیا جائے۔ ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے۔ کہ متحدہ ہندوستان میں ہماری ایک طاقت ہوتی اور کسی بھی پارٹی میں یہ جرأت نہیں تھی کہ ۱۰ کروڑ مسلمانوں

کو جو حکومت میں قانونی طور پر شریک ہونے نظر انداز کر سکتی۔
بہر حال میرا مطلب یہ ہے کہ یہ خطوط بظاہر بعد از وقت معلوم ہوں گے مگر واقعہ یہ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ ہم کل ٹھنڈے دل سے اس پیغام پر غور نہیں کر سکے تو آج آنکھ کھول کر حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس فارمولے کو دیکھ لیں۔
میں مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ، ناظم جمعیۃ علماء ہند مولانا عبدالوحید صاحب صدیقی جنرل منیجر اخبار الجمعیۃ دہلی۔ عم مکرم مولانا محمد عثمان صاحب استاد دارالعلوم صدر کانگریس کمیٹی سہارنپور جمعیۃ العلماء اور دوسرے بزرگوں اور احبابوں کا بیحد ممنون ہوں ان حضرات نے باوجود اپنی بیحد مصروفیتوں کے زیادہ سے زیادہ وقت دیکر میری مدد فرمائی۔ پروردگار ان کے مدارج دارین میں ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔
یہ مضمون جس سے کتاب شروع کی گئی ہے حضرت قبلہ دامت برکاتہم نے اپنی ایک چھوٹے سے رسالہ سلاسل طیبہ میں تمہید کے طور پر لکھا تھا۔ مجھے یہ مضمون بہت پسند آیا۔ کیونکہ یہ خالص قلبی تاثرات کا آئینہ دار ہے۔

آپ حضرات سے گذارش ہے کہ دعاؤں کے وقت اس عاجز و روسیاہ ننگ خاندان کو ضرور یاد رکھیں۔ ممکن ہے ارحم الراحمین آپ حضرات کی دعاؤں کے طفیل میری بخشش و نجات آخروی کا سامان کردے۔

آپکا بھائی

فریدالوحیدی فیض آبادی
مدنی منزل دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ وتابعیہ اجمعین۔

اما بعد چونکہ ارشاد خداوندی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ تحدیث اور اظہار نعماء اللہ کو واجب قرار دیتا ہے۔ بنابریں حسب مقام بعض امور کا ذکر کرنا نہ صرف مناسب بلکہ ضروری خیال کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے بے شمار اور عظیم الشان مادی اور معنوی نعمتوں کی اس مظلوم وجہول ننگ خاندان پر بارش فرمائی فللہ الحمد والمنۃ

من آں خاکم کہ ابر نوبہاری
کند از لطف بر من قطرہ باری

ان گرانمایہ نعمتوں میں سے یہ عظیم الشان نعمت بھی ہے کہ ۱۳۱۶ھ ماہ شعبان میں جب کہ میں تقریباً تمام کتب درسیہ اور ان کے آخری امتحان سے فارغ ہوا تھا اور اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں حضرت والد صاحب مرحوم ومغفور نے سفر حجاز کا مع اپنے جملہ متعلقین کے اعلان کر دیا تھا باشارہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز وباصرار برادر بزرگ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم آستانہ حضرت قطب الاقطاب

سرگروہ اولیاء اللہ سید العارفین امام زماں مولانا رشید احمد صاحب حنفی انصاری، چشتی صابری، نظامی، نقشبندی، قادری، سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز پر حاضر ہوا اور بوسیلۂ حضرت استاذ جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی مرحوم و مغفور استدعائے بیعت طریقت وارشاد پیش کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بلا چون و چرا درخواست قبول فرما کر سلاسل اربعہ میں بیعت فرما لیا اور ارشاد فرمایا کہ چونکہ تو مکہ معظمہ جا رہا ہے اور وہاں حضرت مرشد قطب العالم سید العارفین مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز موجود ہیں انہیں سے ذکر و شغل کی تلقین حاصل کر لینا۔ چنانچہ اسی روز وہاں سے روانہ ہو کر دیوبند ہوتا ہوا وطن مالوف پہنچا۔ خدا کے فضل و کرم سے اس بیعت مبارکہ کے آثار اسی دن سے میں اپنے میں پانے لگا رویائے صالحہ کا سلسلہ بھی جب ہی سے شروع ہو گیا۔

چونکہ اس زمانہ میں سفر حجاز کے لئے صرف بندر چاٹگام (بنگال) کھلا ہوا تھا سواحل وغیرہ پر طاعون کے زور و شور کی بناء پر قرنطینہ کی بھی سختیاں تھیں اس لئے بہت زیادہ زمانہ مکہ معظمہ پہنچنے میں صرف ہو گیا یہاں تک کہ آخر ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ میں تین ماہ متواتر سفر میں گذارنے پر مکہ معظمہ پہنچا ہوا بعد از انتظام اقامت و ضروریات

مناسک حضرت سید الحاز فین قطب العالم جناب حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں شرف یابی کی نعمت حاصل ہوئی حضرت حاجی صاحب موصوف سے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کا بیعت فرمانے کے بعد ارشاد و تلقین کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر محمول فرما دینا معہ دیگر بیانات ذکر کیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے نہایت شفقت فرمائی اور پاس انفاس کی تلقین کرنے کے بعد ارشاد کیا کہ ہر روز بوقت صبح ہمارے یہاں حاضر ہو کر اور یہی عمل کیا کر۔ اس زمانہ میں روزانہ تقریباً آٹھ بجے صبح سے دس گیارہ بجے تک اذن عام ہوتا تھا۔ مولانا محب اللہ مرحوم مثنوی شریف پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حسب ارشاد روزانہ حاضر ہوتا رہا۔ حج و عمرہ کے مناسک سے فارغ ہونے پر اواخر ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں بوقت روانگی قافلہ مدینہ منورہ بعد از ظہر حاضر ہوا اگرچہ وہ وقت عام اجازت کا نہ تھا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ میں بلا لیا باوجودیکہ اس وقت میں بہت ضعیف تھے پلنگ پر لیٹے ہی رہا کرتے تھے پہنچنے پر بیٹھ گئے اور نہایت شفقت سے پاس بلا کر میرے اور بھائی سید احمد صاحب کے سر پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیر کر فرمایا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ چونکہ اس ارشاد پر میں نے سکوت کیا تھا فرمایا کہو کہ میں نے قبول کیا۔ حسب ارشاد

دونوں نے یہ کلمات کہے۔ وہاں سے رخصت ہو کر تبرکی جگہ (بیرون مکہ معظمہ جہاں پر قافلہ روانگی کے وقت جمع ہوا کرتا تھا) پر پہنچا۔ وہی تین دن گذرے تھے کہ منزل رابغ کی شب میں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت باسعادت خواب میں نصیب ہوئی۔ یہ سب سے پہلی زیارت آنحضرت علیہ السلام کی تھی۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھکر قدموں پر گر گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت جو کتابیں میں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھیں ہیں ان کے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ میں نکال سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تجھکو دیا۔ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منورہ پہنچا۔ وہاں پہنچنے پر قیامگاہ اور معیشت کے اس قدر الجھاؤ پڑے کہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے تعلیم کردہ شغل پر عمل نہ کر سکا۔ فقط مکہ معظمہ کے قیام کی مدت میں اس پر عمل پیرا رہا تھا بالآخر اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد مجھ کو شوق سلوک پیدا ہوا۔ تعلیم کردہ شدہ ذکر کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کیا کرتا تھا۔ مگر چونکہ بدن میں حرکت پیدا ہوتی تھی اس لئے لوگوں کے مطلع ہونے کا خیال اس امر کا باعث ہوا کہ بیرون شہر قریب مسجد

اجابتہ بعض افتادہ کھجوروں کی جھاڑیوں میں جاکر تنہائی میں جب تک جی لگے ذکر کیا کروں۔ چنانچہ اس حالت پر ایک زمانہ گذرا اس اثناء میں جو رویائے صالحہ اور حالتیں پیش آتی تھیں گنگوہ شریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بذریعہ مکاتیب پیش کرتا رہتا تھا۔ الطاف بیکراں کے ساتھ ہمیشہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جوابات میں مفید ارشادات کے ساتھ اعانت فرماتے رہے۔ اس اثناء میں ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ گیارہ حضرات اولیاء اللہ میں سے تشریف لائے ہیں اور فرمایا کہ ہم تجھ کو اجازت دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہا ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں میں خدمت میں حاضر ہوا تھا تو ایک تہائی ایک کھجور کا عنایت فرمایا اور کہا کہ باقی دو ثلث دوسرے مشائخ طریقہ کے ذریعہ سے تجھ کو دیئے جائیں گے۔ اس قسم کے بہت سے خواب دیکھے۔

بالآخر ۱۳۱۸ھ کے رمضان یا شوال میں کرامت نامہ پہنچا کہ تجھ کو ایک مہینے کے لئے گنگوہ آجانا چاہیئے۔ اس پر حضرت والد صاحب مرحوم نے ارادہ فرمایا کہ صرف مجھ کو گنگوہ شریف بھیجیں بڑے بھائی صاحب مرحوم کو وہاں کی حاضری کا بہت زیادہ شوق تھا وہ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ میں خفیہ طریقہ پر بقصد حاضری گنگوہ شریف

روزانہ ہو گئے اگرچہ حضرت والد صاحب کا قصد یہ تھا کہ بعد از حج جب کہ قوافل مدینہ منورہ سے جدّہ واپس ہوں گے اس وقت مجھکو بھیجیں گے مگر بھائی صاحب کی تنہائی کی بنا پر حکم فرمایا کہ تو بھی ابھی چلا جا چنانچہ میں براہ ینبع البحر جدّہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ بھائی صاحب مرحوم جہاز نہ ملنے اور حج کے قریب ہو جانے کی بناء پر مکہ معظمہ چلے گئے ہیں اور وہاں ہی مقیم ہیں۔

بالآخر میں بھی مکہ معظمہ پہنچا اور نعمت حج و عمرہ سے فیضیاب ہونے کی تاریخوں کے بعد جدّہ دونوں واپس ہوئے مگر دخانی جہازوں کا اس سال کرایہ اس قدر گراں تھا کہ ہم دونوں کے پاس کی مقدار ہرگز کافی نہ تھی بالآخر اوائل محرم ۱۳۳۹ھ میں بادبانی جہاز دجلہ، مسقط جانے والا ملا جس نے تقریباً سوا مہینہ کے بعد مسقط پہنچایا مسقط سے ہر ہفتہ میں ایک دخانی جہاز کراچی جاتا تھا تقریباً ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد وہ جہاز آیا دو دو روپیہ فی ٹکٹ پر کراچی پہنچنا ہوا اور پھر اوائل ماہ ربیع الاول میں گنگوہ شریف کی حاضری نصیب ہوئی۔ اس اثناء میں تمام راہ میں میرے مشاغل سلوک برابر جاری رہے اور بفضلہ تعالیٰ رویائے صالحہ اور مختلف احوال وارد ہوتے رہے۔ گنگوہ شریف پہنچنے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زیادہ عنایات فرمائیں

والد صاحب مرحوم کے خطوط سے چونکہ حضرت کو پوری کیفیت معلوم ہو چکی تھی اس لئے یہاں انتظار تھا۔

بھائی صاحب مرحوم سہارنپور سے بالا بالا حاضر خدمت ہوئے اور میں نے عرض کیا کہ میں پہلے دیوبند جاؤنگا وہاں سے خدمت اقدس میں حاضر ہوں گا۔ بھائی صاحب مرحوم سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں کے لئے ہم نے ایک ایک جوڑا کپڑا تیار کر رکھا ہے مگر حسین احمدؐ کے حاضر ہونے کے بعد دوں گا چنانچہ جب میں دیوبند سے براہ نانوتہ پیدل حاضر ہوا تو وہ جوڑے جو کہ ابھی جدید تھے ہر ایک کو عطا کئے گئے چونکہ ان میں کرتہ پاجامہ ٹوپی ہی تھی اس لئے بھائی صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت ہم دونوں اپنے اپنے عمامے لاتے ہیں اور پیش کر دیتے جناب ان کو بھی ہمیں دیدیں۔ فرمایا کہ اس کو پھر دیکھا جائے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بکمال شفقت آخری شغل سلوک تلقین فرمایا۔ میں نے اپنی ان رویاء کو جو کہ راستہ میں دیکھی تھیں تنہائی میں پیش کیا جن میں سے ایک یہ تھی کہ میں حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اور اس سے پہلے ایک مقدار کھجوروں کی حضرت کے یہاں بطور ہدیہ پیش کر چکا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ تو خود آکر ان کھجوروں کو

تقسیم کر دے میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کھجوریں تو میں آپ کیلئے لایا ہوں میرے یہاں تو اسکی دوکان ہی ہے۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں میں جانتا ہوں کہ کن مشقتوں سے یہ کھجوریں حاصل ہوتی ہیں۔ مولانا گنگوہیؒ نے یہ خواب سنکر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ سے تجھکو اجازت ہوگئی مجھ سے بھی عنقریب ہو جائیگی چونکہ اجازت وخلافت میرے گمان میں بھی نہ تھی میں نے عرض کیا میں تو اسکا خواستگار نہیں اس پر غالباً سکوت فرمایا۔ بارگاہِ رشیدی کی حاضری میں بفضلہٖ معنوی نعمتیں بہت حاصل رہیں۔ ایک شب پندرہ دن کے بعد بعد عشاء میں حضرتؒ کی پیٹھ دبا رہا تھا بین النوم والیقظہ کی حالت ہوئی اور دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تجھے چالیس دن بعد اجازت ہوگی۔ اس کے ٹھیک چالیس دن بعد حضرتؒ نے بعد عصر فرمایا کہ اپنے عمامے لے آؤ بھائی نے دو عمامے حاضر کئے حضرتؒ نے ہر دو کو اپنے پاس بٹھا کر اپنے دست مبارک سے باندھے اسکے چند منٹوں بعد بھائی سے فرمایا جانتے ہو یہ کیسی دستار تھی بھائی نے فرمایا دستارِ فضیلت تھی فرمایا نہیں یہ دستارِ خلافت ہے تم دونوں کو مجھسے اجازت ہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ خدمت میں رہنا ہوا مگر بہت جلد افتراق جسمانی کی نوبت آگئی۔ افسوس کہ اپنی تن پروری اور نفس پرستی ہمیشہ میدان عمل میں سدراہ ہوتی رہی جس کی بناء پر ناقص ہی رہا ورنہ نعماءِ الٰہیہ نے اور حضرتؒ کی توجہات اور حضرت شیخ الہندؒ کی برکات نے اضافہ سے کوئی کوتاہی نہ کی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں اگرچہ زیادہ رہنا نصیب ہوا مگر باوجود ان کی توجہات کے اپنی نالائقیوں نے گل کھلانے میں کمی نہ کی بہرحال میں اپنے اسلاف اور اکابر کرام کے لئے ننگ و عار ہی رہا۔ تاہم مجھ کو افضالِ خداوندی سے امیدیں ہیں کہ مثل سگِ اصحابِ کہف مجھ کو اپنے اولیاء کرام سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائیں اور اپنے بھائیوں سے امیدوار ہوں کہ دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کی دستگیری فرمائیں گے۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۱۳۰۶ھ

تہذیب الاخلاق

(ہمدرد پریس دہلی)

محترم المقام - زیدت معالیکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپنے جس ہمدردی اور جن عنایات کا مظاہرہ فرمایا ہے میں انکے شکریہ سے قاصر ہوں - اللہ تعالےٰ آپ کو دونوں جہان میں فائزالمرام فرمائے اور اپنی خوشنودیوں سے نوازے - آمین۔ میں بحمداللہ بخیر وعافیت ہوں اور بہت زیادہ مطمئن الخاطر ہوں۔ اور افضال خداوندی سے امیدوار ہوں کہ نتائج بہترین پیدا ہوں۔ ملاقات - اخبار و ڈاک جب سے کہ نئے لوگ گرفتار ہو رہے ہیں، بند ہیں - میں تنہائی میں جس قدر بھی ملجائے جس قدر خوش و خرم رہتا ہوں اجتماع میں نہیں رہتا۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

جو فراغت یہاں ملی ہے باہر کب نصیب ہوتی ہے - بہر حال اللہ اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ اور راضی رہتا ہوا جس حالتیں رکھے اس پر شاکر رہنا فریضہ عبودیت ہے - ہم کو اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے - آمین - آپ حضرات سے مستدعی ہوں کہ استقامت اور اسلاف کرام (قدس اللہ اسرارہم) کے قدم بقدم چلنے کی دعا فرماتے رہینگے - آپ میری طرف سے کسی قسم کا فکر نہ کریں - آپکا بار بار تکلیف کرکے آنا اور اپنے کاروبار میں حرج ڈالنا میری طبیعت پر بہت زیادہ بار ہوتا ہے - میں ایک نہایت معمولی اور گنہگار بندہ ہوں جو کہ اسلاف کے لئے

ننگ وعار ہوں۔ میرے لئے اسقدر تکلیف اٹھانی بہت بیجا ہے۔ اللہ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے۔ دعوات صالحہ اور کار لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین و پرسانِ حال حضرات کی خدمات میں سلام مسنون عرض کر دیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مراد آباد جیل۔ ۲۵ شعبان ۱۳۶۱ھ

نینی سنٹرل جیل الہ آباد میں حکام جیل نے اعلیحضرت دامت برکاتہم کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا تو خدام بیتاب ہو گئے۔ مولانا محمد وحید قاسمی ناظم دفتر مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے اپنے عریضہ سے اس واقعہ کی بنا پر اپنی کرب و بیچینی کا اظہار فرمایا۔ اعلیحضرت نے اسکا حسب ذیل جواب مرحمت فرمایا۔

محترم المقام۔ زیدت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ باعث عزت افزائی ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عشق میں اُنکے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

آپکے اور غلام محمد صاحب کے خط کو پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ آپ اس واقعہ کو سنکر روئے تعجب ہوا۔ میرے محترم یہ نانی جی کا گھر نہیں سجن ہے۔ اور ایک ایسی قوم کا جو سات ہزار میل سے یہاں آئی ہے جس سے نہ مذہبی اتحاد ہے نہ لسانی۔ نہ نسلی۔ نہ معاشرتی۔ نہ قومی۔ نہ وطنی۔ کسی قسم کا اتحاد نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قوم کو ہم سے کسی قسم کی کوئی ہمدردی کسطرح ہو سکتی ہے۔ وہ قوم کسی ہندوستانی کی عزت و وقعت کس طرح پہچان سکتی ہے۔ صرف انسانیت کا اتحاد ہے۔ مگر آج یورپین قومیں آپسمیں کونسی انسانیت عمل میں لا

رہی ہیں۔ جرمن کو روس سے اور روس کو جرمن سے کس قسم کی شکایت ہے؟ ہم ایشیائی و ہندوستانی تو انکی نظر میں نیم وحشی ہیں۔ جو کچھ مراعات وہ کردیتے ہیں صرف اپنی مصلحتوں کی خاطر۔ پھر ایسی قوم سے کوئی امید ایسی ہی ہے جیسے آگ سے پیاس بجھانے کی اور پانی سے جلا دینے کی۔ بہر حال ہمارا اس میدان میں اترنا اسی نصب العین کی بنا پر ہے۔ دعوات صالحہ اور خدمات لائقہ سے فراموش نفرمائیں۔ واقفین اور پرسان حال حضرات کی خدمتمیں سلام مسنون عرض کردیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

اپنے بھتیجے اور میرے والد مرحوم مولانا وحید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو دادا میاں مدظلہم نے بچپن ہی سے جبکہ انکے والد زندہ تھے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا اور اپنی اولاد کی طرح بڑے شوق و ارمان سے انکی تعلیم و تربیت فرمائی۔ اسارت مالٹا کے زمانہ میں بھی وہ ساتھ ہی رہے۔ اسوقت انکی عمر بہت ہی کم تھی۔ حضرت شیخ الہند رح سے عربی پڑھا کرتے تھے۔ اور دوسرے ممالک کے قیدیوں سے انگریزی۔ فرانسیسی۔ ترکی اور دوسری زبانیں سیکھا کرتے تھے۔ مالٹا سے واپسی پر کچھ دنوں دار العلوم میں مدرس رہے۔ پھر مدرسہ عزیزیہ بہار ضلع پٹنہ چلے گئے تھے۔ اور وہاں ادب اور فقہ کا درس دیتے تھے۔ عربی تو خیر مرحوم کی مادری زبان تھی مگر ہندوستان کی اکثر زبانوں مثلاً پشتو۔ بنگالی وغیرہ کے علاوہ وہ انگریزی۔ فرانسیسی۔ ترکی۔ فارسی وغیرہ بے تکلف بول اور لکھ سکتے تھے۔ ان تمام زبانوں میں تقریر بھی بے محابا کرلیتے تھے۔ بڑے دلیر۔ بہادر اور غضب کے ذہین تھے مگر افسوس عمر نے

وفات کی: شعبان ۵۶ھ کا واقعہ ہے کہ جب میں دارالعلوم سے گھر پہنچا تو وہ معمولی انفلوئنزا میں مبتلا تھے۔ میرے ماموں مولٰنا عزیز احمد صاحب بی۔ اے فاضل دیوبند نے ان سے فرمایا کہ فرید کے قرآن شریف کیلئے کوئی انتظام کر دیجئے۔ انھوں نے فرمایا بس! میاں تم جانو۔ ابتو انکا انتظام تم ہی کروگے۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا تو فرمایا کہ یہ کوشش فضول ہے اب خدا کے سپرد کر دو۔ اور یہ معمولی انفلوئنزا شدید نمونیہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ ہمہ وقت غفلت طاری رہنے لگی کبھی کبھی ہوشیار ہوتے تھے تو چچا (حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی) کو بلاتے تھے۔ اعلیحضرت دارالعلوم میں درس بخاری میں مصروف تھے۔ وقت گذرتا گیا اور حالت نازک تر ہوتی گئی۔ آخر یہ وقت آیا کہ چوبیس گھنٹہ میں کبھی دو ایک سکنڈ کیلئے ہوش آجاتا تو یہ کہکر پھر غافل ہو جایا کرتے تھے کہ "چچا نہیں آئے" آخر بخاری کے ختم سے فارغ ہو کر حضرت دادامیاں مدظلہم لکھنؤ سے ڈاکٹر سید عبدالعلی کو ہمراہ لیکر ٹانڈہ پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اطمینان دلایا اور دادامیاں اپنے پروگرام پر سلہٹ کو روانہ ہو گئے۔ ابھی سلہٹ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ والد مرحوم رویت ہلال رمضان کے بعد ایک بجے رات کو معبود حقیقی کو یاد کرتے ہوئے اس سے جا ملے اِنّا الخ۔ مولٰنا وحیدالدین ناظم دفتر مرکزی جمعیتہ علماء نے انتقال سے ایک دن پہلے خواب میں دادامیاں کو نہایت پریشان دیکھا فوراً خط لکھ کر اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ دادا صاحب دامت برکاتہم نے جواب لکھا۔

(فرید الوحیدی)

محترم المقام ۔ زید مجدکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ باعث عزت افزائی ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خواب کی تعبیر ظاہر ہے ۔ عزیزم مولوی وحید مرحوم کی دائمی مفارقت میرے لئے معمولی تکلیف نہیں ہے ۔ وہ میری ہی پرورش میں بچپن سے رہا تھا۔ اوس کو اپنے والد مرحوم سے اتنا تعلق نہیں تھا۔ جتنا مجھ سے تھا۔ وہ ننھے ننھے چار بچے چھوڑ کر اور اپنی اہلیہ کو بیوہ کر کے چل دیا۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم ؁

ولی ما یذود الکتائب عنی ؏ قلہٗ ۔ ولکن قلبی یا ابنۃ القوم قُلّب (متنبی)

بہرحال آپ حضرات دعوات صالحہ سے امداد فرماتے رہیں ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

نئی سڑک سلہٹ ۔ ۱۱ رمضان المبارک ؁۵۶ھ

؏ میرے اوپر اتنا عظیم صدمہ ہے کہ اگر بڑے بڑے لشکر اس صدمہ کو مجھسے ہٹانا چاہیں تو شاید اس کا بہت تھوڑا سا اور قلیل حصہ مجھ سے دفع کر سکیں گے مگر اے بنت قوم میرا قلب حالات کے تقاضوں کے مطابق بہت تیزی سے انقلاب اختیار کرتا رہتا ہے ۔ (متنبی)

مولانا وحید الدین صاحب قاسمی ناظم دفتر مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے تقریر کی مشق کے متعلق اپنے عریضہ میں ذکر کیا۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا:-

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ باعث عزت افزائی ہوا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ تقریر کے متعلق آپ کی جد وجہد بہت مناسب ہے۔ زبان کھلنے کے لئے میں دعا کرتا ہوں۔ آپ عالی نیتی کے ساتھ شروع کر دیجئے، اور چھوٹے مجمعوں میں خود بخود کھڑے ہو جایا کیجئے۔ تقریر سے پہلے سات یا پانچ۔ یا تین مرتبہ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم ط رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی ط پڑھ کر سینہ پہ دم کر لیا کیجئے۔ انشاء اللہ اعانت خداوندی شامل ہوگی۔ نیز خالی کمرہ بند کرکے یہ تصور کرتے ہوئے کہ مجمع حاضر ہے تقریر کرنے کی مشق کچھ دنوں کیجئے۔ نواب مہدی علی خاں مرحوم نے اسی طرح مشق کی تھی اور اپنے زمانہ کے اعلیٰ درجہ کے مقرر شمار کئے جانے لگے تھے کسی سے اثناء تقریر میں مرعوب نہ ہوا کیجئے۔ خواہ کتنا ہی بڑا مجمع ہو۔ البتہ مضامین کو غور سے مطالعہ کیا کیجئے۔ جس مضمون پہ تقریر کرنی ہو اگر ممکن ہو تو تنہائی میں اس پہ دو تین مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ تقریر

کرلیا کیجئے۔ چرچل آج تک ایسا ہی کرتا ہے۔ زبان جہاں تک ممکن ہو عام فہم اختیار کیجئے۔ جو لوگ الفاظ کی چمک دمک کی طرف جاتے ہیں میرے خیال میں غلطی میں مبتلا ہیں۔ ہاں! نیت کی درستی ضروری ہے جو کہ واقعی میں مشکل کام ہے۔ اپنی شہرت تقریر، لوگوں کی واہ واہ۔ ریاء، سمعہ وغیرہ مقصود نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت۔ فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی اور رضاء باری عزاسمہ مقصود ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ اعانت ہوگی

نیز ایک ضروری امر یہ ہے کہ نوجوانوں کی جماعت تیار ہونی چاہیئے۔ جو کہ تحریر و تقریر کی مشق کریں۔ اور ضروری مقامات پر مذہبی اور سیاسی تقریریں کرسکیں۔ مواد کو جمع کریں مباحث اور تاریخیں ایک ہفتہ پہلے متعین ہو جایا کریں۔ اور ضروری مطالعہ کرکے وقت معین پر تقریریں کردیا کریں۔ اثناء تقریر میں صاحب تقریر اور سامعین تہذیب و متانت کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اسی طرح مختلف عنوانات پر مضامین لکھیں اور علمی رسائل و اخبارات میں شائع کراتے رہیں۔ آہستہ آہستہ اچھی خاصی قدرت حاصل ہو جائے گی۔ مضامین کی اصلاح کے لئے

حضرت مفتی صاحب اور اعلیٰ حضرت وغیرہ موجود ہیں۔ اور اگر اس کا موقعہ نہ ہو تو خود مل جل کر اصلاح کر لیا کریں۔

ڈرنا اور مرعوب ہو کر پیشقدمی سے جھجکنا سخت غلطی ہے۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

چراغ محمد
۱۲ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ

ہ حضرت نے کبھی کبھی اپنا تاریخی اسم گرامی بھی مکاتیب میں استعمال فرمایا ہے۔

۱۳۴۷ھ میں مجھے نہایت جوش تھا کہ کسی طرح مدینہ منورہ زاداللہ شرفاً و تعظیماً مع متعلقین حاضر ہو جاؤں اور وہیں متوکلانہ زندگی بسر کروں۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ کل جائداد فروخت یا رہن کر کے میں ہندوستان سے ہجرت کر جاؤں یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شریف مکہ اور سلطان ابن سعود کی باہمی آویزش اور جنگ کی وجہ سے مدینہ منورہ کی آبادی ناقابل برداشت سختیاں برداشت کر رہی تھی اور وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں کو ہجرت کر رہے تھے۔ میں نے اپنے اس ارادہ کا اظہار حضرت والا دامت برکاتہم سے کیا جس پر یہ صحیفۂ برکت شرف صدور لایا۔ فقط ...... احمد حسین لاہرپوری

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ پہلے والانامہ کا جواب کثرت مشاغل اور طول تحریر کی بنا پر ابتک نہ دیسکا۔ بفضلہ تعالیٰ گھر میں اب طبیعت بالکل صاف ہو گئی ہے۔ بچہ بھی تندرست ہے کسی قسم کی شکایت باقی نہیں رہی۔ وللہ الحمد۔

آپ کی بیماری کی کیفیت معلوم کر کے فکر ہوا۔ بارگاہ مجیب الدعوات سے دعا ہے کہ جلد تر شفاء کلی عطا فرمائے آمین۔ محترما۔ آپکا ارادہ حضوری حرمین شریفین اور قیام مدینہ منورہ زیدہ شرفاً بہت ہی نیک فال اور مبارک امر ہے کون مسلمان ہے جو ایسی مبارک بات پسند نہ کریگا۔ مگر ضروری ہے کہ انجام

اور احوال پر غور کر لیا جائے۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے شوق مدینہ منورہ میں بیقرار رہنا اور اسی عشق میں مرنا ہزار ہا مرتبہ بہتر اس سے ہے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہندوستان کے لئے بےچینی ہو۔ میرے محترم مدینہ منورہ میں بہت سی سختیاں پیش آتی ہیں جنپر صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عالی ہمت اور مستقل الارادہ حضرات پھسل جاتے ہیں۔ پھر عورتوں اور بچوں کا قائم رہنا نہایت ہی دشوار اور مشکل امر ہے۔ آج وہاں کی سختیوں کی یہ حالت ہے کہ پشتہا پشت سے وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ آپ کی جائداد مقروض ہے اور پھر وہ قرضہ سودی ہے اسکا ادا کر دینا بہر حال نہایت ہی ضروری ہے۔ اور جلد از جلد جس طرح بھی ممکن ہو عمل میں لانا چاہیے اور آئندہ عہد کر لینا چاہیے کہ کیسی بھی ضرورت ہوگی قرضہ اور خصوصاً سودی قرضہ ہرگز نہ لوں گا۔ اس کے بعد اگر حج فرض ہے تو حج کے ادا کرنے کا ارادہ کیجئے۔ یعنی اگر جائداد کی آمدنی آپ اور آپ کے متعلقین کے سالانہ اخراجات سے زائد ہوتی ہے یا آپ کے پاس اتنا نقد یا زائد سامان موجود ہے کہ جس سے مکہ معظمہ کا سفر ہو سکتا ہے تو زائد جائداد کو بیچکر یا زائد نقود کو لیکر حج کر آئیں۔ اور وہاں جا کر چند مہینہ قیام کر کے نشیب و فراز پر غور کیجئے۔ احوال کو خوب سوچ سمجھ کر ملاحظہ کیجئے پھر اگر ہمت پڑے تو وہاں قیام کا ارادہ کیجئے۔ پھر بھی ہجرت کی نیت مت کیجئے

مگر تمام جائداد کو بیچ کر جانا یا رہن رکھکر جانا یا متوکلانہ زندگی وہاں بسر کرنے کا خیال کرنا میری سمجھ سے باہر ہے آپ بذات خود اگر ایسا یقین اور ایمان رکھتے ہیں کہ ذرا بھی قدم پھسل نہیں سکتا تو مجھکو ہرگز اطمینان نہیں کہ عورتیں اور بچے ایسا یقین رکھیں گے۔ ع کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجاورت مدینہ چھوڑ دیا۔ ہزاروں صحابہ کرام اور کروڑوں اولیا اللہ غیر عرب میں ہوئے اور وہیں مرے کیا ان کو عشق نبوی نہ تھا۔ کیا ان کو ایمان اور غیرت ایمانی نہ تھی۔ وہاں رہنا فرض نہیں واجب نہیں۔ مقصود اصلی رضاء الٰہی ہے جہاں بھی حاصل ہو جائے وہی کارآمد ہے اور اگر ہمارا مرقد حجرہ شریفہ مطہرہ میں بنے اور خدانخواستہ رضاء الٰہی اور مغفرت کا سامان نہ ہو تو وہ ذرہ برابر قابل اعتبار نہیں۔ میرے محترم اس فضیلت یا سنت کو حاصل کر کے فرائض اور واجبات کو ترک کریں یا محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کریں کس شریعت میں جائز ہے۔

لوگوں کی طرف ہاتھ پھیلانا۔ ریاستوں یا اہل دنیا سے قرض لینا۔ جائداد کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑنا وغیرہ وغیرہ امور کسی طرح بھی میری سمجھ ناقص میں نہیں آتے۔ نہ حیدرآباد میں مہتمم صاحبان سے کوئی امید ہو سکتی ہے اور نہ اور دوسرے رؤساء یا ارباب ہم سے کوئی فائدہ حاصل ہونا ممکن معلوم ہوتا ہے۔

کعبہ چہ میروی چہ کشی رنج بادیہ ٭ کعبہ است کوئے دلبر قبلہ است روئے دوست

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ماں کی اطاعت و خدمت میں حضور گاہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ترک کر دیتے ہیں اور عشق و جذبہ نبوت کی قرار واقعی داد دیتے ہیں۔ سید الاولیاء والاصفیاء ہوتے ہیں۔ حضرت عمر جیسے صحابی کو ان سے دعا حاصل کرنیکا ارشاد ہوتا ہے۔ حالانکہ رویت نبوی سے ممتاز نہوئے تھے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر ست ٭ از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

میرے محترم۔ خانہ کی زیارت مقصود اور مقدم نہیں۔ صاحب خانہ کی زیارت مقصود اور مقدم ہے۔ اسمیں کوشاں ہوجئے۔

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدوست ٭ عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

کوشش کیجئے اصلاح باطن میں دن رات صرف کیجئے۔ پھر دار و دیار کا بھی قصد کر لیجئے۔ وساوس میں مت پڑیئے۔ وقت اور عمر عزیز ضائع نہ کیجئے۔

ہر نفس بہرت مسیحا نیست چیست ٭ گر نداری پاس او از جہل تست

این چنیں انفاس خوش ضائع مکن ٭ غفلت اندہ شہر جان شائع مکن

من نکردم شما حذر بکنید

گھر میں اور بھائی صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسلام

از دیوبند ۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

محترم المقام زید عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والانامہ محررہ ا۱ر جمادی الاول باعث سرفرازی ہوا تھا۔ قلت فراغ کی وجہ سے تاخیر ہوئی لہذا معافی کا خواستگار ہوں۔

ذکر جو کچھ کرتے ہیں برابر کرتے رہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ ذکر کرتے کرتے جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو قلب میں ایسی قساوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد ذکر کرنے میں پہلی حالت بہت زیادہ دنوں میں عود کرتی ہے۔ ہاں اگر انسان کے باطنی اجزاء ذکر سے پوری طرح رنگین ہو چکے ہوں تو پھر ترک کرنا مضر نہیں ہوتا بلکہ وہ ترک نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ذکر میں مختلف افکار و خیالات کا چھا جانا ذکر کی برکت اور اس کے اثر کو کم ہی نہیں بلکہ بسا اوقات بالکل زائل کر دیتا ہے۔

اس لئے آپ کو استقلال کے ساتھ کاربند رہنا چاہئے اور ذکر کرتے وقت حتی الوسع حدیث نفس اور خیالات دنیاویہ کو زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ خدا کو منظور ہے تو ثمرہ ظاہر ہوگا۔ تاہم مقصود محض ذات الٰہی اور اس کی رضا ہونی چاہئے۔ کوئی لذت روحانی یا مرتبہ معنوی وغیرہ کا طلب کرنا درست نہیں سب کو زیر لا کھینچنا چاہئے۔ اور الا اللہ کا مقصد زیر نظر رکھنا چاہئے۔

یقین می دان آں شاہ نکو نام ؎ بدست سر بریدہ می دہد جام

من جدّ وجدّ مشہور اور معتبر مقالہ ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ ارشاد قرآنی ہے۔ یہاں سب خیر و عافیت ہے مولانا محسن صاحب۔ اور گھر میں سے سب کو سلام کہتے ہیں۔ اپنے بھائی صاحب نیز اہلیہ محترمہ اور دیگر واقفین سے سلام مسنون عرض کر دیں دعوات صالحہ اور خدمات لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں والسلام

از دیوبند یکم جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

محترم المقام زید عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اولاً تار اور پھر والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ سال گذشتہ میں میں نے جناب کو متوجہ کیا تھا کہ حقوق العباد میں دست اندازی اور تعدی نہ فرمائیں اور باوجودیکہ آپ نے تلافی کا اقرار کیا تھا مگر افسوس کہ کوئی توجہ کامل اس طرف نہیں فرمائی بلکہ مع مظالم و تضییع حقوق امور لعیش اور اسباب فیشن کی جانب آپ کی توجہ زیادہ تر مبذول رہی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا تھا۔ اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہا وبین اللہ حجاب۔ ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن؛ اجابت از در حق بہر استقبال می آید

میرے محترم اعاجزوں، کمزوروں، پردہ نشینوں کے حقوق تلف کرنے کا نتیجہ نہ دنیا میں بہتر ہوتا ہے نہ آخرت میں۔ میں نے پہلے بھی مجمل الفاظ میں لکھا تھا اور اب زیادہ تفصیل سے عرض کرتا ہوں۔ میں اس کے لئے شہود اور بینہ نہیں رکھتا مگر آپ خود جان سکتے ہیں ان الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ۔

میں نے عواقب سیئہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ افسوس آپ نہ سمجھے سیکڑوں

بد دعاؤں۔ دکھے ہوئے دلوں کی بد دعاؤں، عاجزوں اور آخر شب میں اُٹھنے والوں کی بد دعاؤں کے سامنے اکیلے حسین احمد کی دعا کیا اثر کر سکتی ہے۔

تاہم میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مصائب دارین سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ گھر میں اور دیگر متعلقین سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسلام

۱۳ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

میرا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ میں اور حضرت معاویہؓ و علیؓ میں جمل اور صفین کی جنگ نہیں ہوئی بلکہ یہ واقعات وضع کر لئے گئے ہیں۔ اگر ان واقعات کو بالکل صحیح مان لیں تو قرآن شریف کی آیت والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا کذب لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس آیت کا مطلب ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ باہم رحیم و شفیق تھے۔ حضور اس مسئلہ میں اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں

احمد شاد سیتانہ۔ ضلع جھنگ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مزاج شریف والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ رحماء بینھم اس قسم کی جنگ کے خلاف نہیں ہے۔ کیا شفقت اور رحمت باعث جنگ نہیں ہو سکتی۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام میں کس قدر

اختلاف ہوا کیا وہ دشمنی سے تھا۔ باپ بیٹوں میں زد وکوب کے واقعات کیا محبت اور رحمت سے نہیں ہوتے ہیں۔ کیا رحمۃ للعالمین کے جہادات کو رحمت سے علاقہ نہ تھا۔ کیا جراح اور ڈاکٹر کا نشتر لگانا اور مریض کو تکلیف دینا مظاہر رحمت سے نہیں ہے۔ اجتہادی غلطی میں اگر غور فرمائیں تو عموماً مظاہرہ رحمت ہی محسوس ہوگا واللہ اعلم۔ بہرحال سمجھ میں نہیں آتا کہ متواترات عالم کا انکار کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۲ محرم ۱۳۶۴ھ از دار العلوم دیوبند

ایک زمانہ میں یہ سوال بڑی زوروں سے اٹھا تھا کہ مسلمان پہلے مسلم ہے یا ہندوستانی اس مسئلہ پر اخبارات وغیرہ میں بہت ردو قدح ہوئی تھی۔ ایک طالب علم گلزار احمد بصرہ ضلع شاہ پور پنجاب سے ذیل کے سوالات اسی مسئلہ پر کرتے ہیں۔

(۱) ہندوستان کے مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ہونے کے کیا آپ ایک علیحدہ قوم تصور کرتے ہیں یا نہیں ؟

(۲) آپ پہلے مسلمان ہیں یا پہلے ہندوستانی۔ واضح فرمایئے۔

جوابات از حضرت مدنی مدظلہ، بتاریخ ۲۹ ہجری ھ

(۱) قومیں نسل، مذہب، وطن، پیشوں وغیرہ سے سب سی بنتی ہیں۔ اس لئے اس میں منافات نہیں ہے۔ کہ ایک جماعت کسی حیثیت سے دوسری جماعت کے ہم قوم بھی ہو۔ اور علیحدہ بھی ہو۔ قرآن شریف میں انبیاء علیہم السلام اور مسلمانوں کو کفار کا ہم قوم ایک دو نہیں بلکہ ستر اسی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے مسلمانانِ ہند بحیثیت وطنیت جو کہ یورپین لسان میں مدار علیہ نیشن کا ہے۔ دیگر اقوام ہندیہ کے ہم قوم ہیں۔ مگر بحیثیت مذہب مغایر ہیں۔ بحیثیت نسل خود مسلمانوں میں

بہت سی قومیں ہوں گی۔ جن میں سے متعدد قومیں غیر مسلم قوموں سے بھی نسلی بناء پر متحد ہو جائیں گی۔ جیسے راجپوت، جاٹ وغیرہ۔ بہر حال مسلمان ہم قوم برادران وطن بھی ہیں اور غیر بھی۔

(۲) اس میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔ کہ ایک ہی وقت میں انسان ہندوستانی بھی ہو اور مسلمان بھی۔ تقدم اور تاخر کا لزوم ضروری نہیں ہے۔ ہم ایک وقت میں بیٹے بھی ہیں، بھائی بھی ہیں باپ بھی ہیں۔ ماموں بھی ہیں چچا بھی ہیں۔ وعلی ہذا القیاس۔

اور اگر تقدم و تاخر مراتب شمار کرنا ہے تو ہندوستانیت بحیثیت جسم اور اس کے لوازم ہے۔ اور اسلامیت بحیثیت روحانیت اور اس کے لوازم و توابع ہے۔ بحیثیت وجود دنیاوی جسمانیت مقدم ہے۔ بچہ جب تین چلّے اپنی پیدایش کے پورے کر لیتا ہے تب روح آتی ہے۔ اور بحیثیت شرف و فضل روحانیت مقدم ہے

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرے اندر یہ عیب ہے کہ عورتوں کی طرف دیکھتا ہوں اس کا علاج بتائیے۔

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ مزاج شریف والا نامہ مع کھدر کے باعث سرفرازی ہوا۔ نظر الی الاجنبیات کیلئے مندرجہ ذیل امور عمل میں لائیے۔

(۱) نظر پڑتے ہی اپنی اور اس کی موت کو یاد کیجئے۔ اور اس کے ما بعد کے جسمانی اور روحانی حالات کو زیر تصور لائیے

(۲) اس کی پیدائش میں اور حیض کے خون سے خیال کرتے ہوئے ہردو کی نجاستوں اور گندگیوں کو دماغ میں بٹھائیے

(۳) موجودہ حالت میں منظور نظر کی پیٹ کی نجاستوں پیشاب اور پاخانہ اور آنکھوں کا روزانہ نکلنے والا چیپڑ کان سے نکلنے والا میل ناک سے نکلنے والا سنک اور منہ سے نکلنے والا لعاب دھیان میں لائیے

(۴) جہاں تک ممکن ہو روزہ رکھئے انشاء اللہ کامیاب ہوں گے

علاوہ چھ تسبیح کے روزانہ اسم ذات زبانی (اللہ) پچیس ہزار دن رات یعنی چوبیس گھنٹوں میں پورا کر لیا کیجئے۔ والسلام "ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ"۔

ام سلمہ ۔ زینب ۔ رقیہ ۔ کلثوم اور محمد کریم کے پیہم انتقال کے بعد محمد نعیم ۸ ماہ کا سیناپور اسپتال میں پیدا ہوا اور عدم سے عالم وجود میں آتے ہی ایک چیخ کے ساتھ اپنے بھائی اور بہنوں سے جا ملا۔ اسپتال میں یہ ۸ ماہ بیحد تکلیف اور پریشانی میں کاٹے گئے۔ گھر میں بیحد کمزور ہو گئیں اور ہر وقت حرکت قلب بند ہو جانیکا خطرہ تھا۔ خود لیڈی ڈاکٹر ان کی زندگی سے تقریباً مایوس ہو چکی تھی۔ بچے کے مرنے سے انکی صحت پر اور زیادہ برا اثر پڑا۔ میں نے انتہائی پریشانی میں حضرت مدفیوضہم کی خدمت اقدس میں عرضداشت ارسال کی۔ سلہٹ سے یہ صحیفہ گرامی شرف صدور لایا۔

احمد حسین لاہرپوری

محترم المقام زادت معالیکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپکے متعدد والا نامہ جات باعث دلجمعی ان ایام میں ہوئے مگر چونکہ ماہ شعبان تقریباً کل کا کل مختلف سفروں میں گذرا اس لئے مجھکو جواب دینا مشکل ہو گیا۔ میں اواخر شعبان میں سلہٹ آگیا تھا اور انشاء اللہ شوال کی ابتدائی تاریخوں تک یہاں ہی مقیم رہوں گا۔ آپ کے آخری دو والا نامے یہاں ہی دیوبند سے واپس ہو کر ملے۔ مردہ بچہ کی ولادت کی کیفیت معلوم کر کے صدمہ ہوا خصوصاً اسلئے

بھی کہ غالباً آپ دونوں صاحبوں کے لئے یہ امر بہت زیادہ کلفت کا باعث ہوگا اور بالاخص آپ کے گھر میں شاید زائد متاثر ہوں۔ مگر اسکے متعلق میری چند عرائض ہیں جنکی نسبت میں امیدوار ہوں کہ آپ دونوں حضرات ذرا غور اور عقل والصاف کو کام میں لائیں۔ اگر میں وہاں پہونچ سکتا تو پوری تفصیل کے ساتھ عرض کرتا مگر بمجبوری مختصر تحریر میں توجہ کا خواستگار ہوں۔

میرے محترم۔ اولاد کی محبت یوں تو طبعی ہے مگر یہ طبعی بات بھی عقل کے ذریعہ سے زیادہ تر اثر پذیر ہوتی ہے۔ چونکہ اولاد سے مختلف قسم کے منافع دنیویہ کی امید ہوتی ہے اس لئے ان کے مرنے سے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے مگر اگر غور اور عقل کو کام میں لایا جائے تو مرنا اور خصوصاً اس زمانہ میں زندہ رہنے سے زیادہ خوشی کا باعث ہے۔ زندہ رہنے والی اولاد بہت سے بہت دنیاوی زندگی میں کارآمد ہو سکتی ہے جو کہ ناپائدار زندگی ہے اور اسکے جتنے بھی شعبے ہیں نہایت ہی ذلیل اور زوال پذیر ہیں۔ یہ بھی اس وقت ہے جبکہ اولاد صالح اور قابل ہو (جو کہ اس زمانہ میں بہت شاذونادر ہے) دیکھا یہی جاتا ہے کہ اولاد بڑے ہونیکے بعد بھی ماں باپ کے لئے سوہان روح رہتی ہے۔

مگر ذرا مرنے والی نابالغ اولاد کی طرف نظر اٹھایئے۔ حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ السلام (جو کہ نہایت صحیح اور مستند احادیث اور صریح آیات کے مضامین سے مفہوم ہوتا ہے۔ نابالغ مرجانیوالے بچے ماں باپ کیلئے دوزخ سے بچالینے

والے اور حجاب ہوں گے۔ یہانتک فرمایا گیا ہے کہ جو حمل ساقط ہوگیا ہو وہ بھی اپنی ماں اور باپ کے لئے خداوند کریم سے جھگڑے گا اور بالآخر رحمت الٰہی حاصل کرکے اس خطاب کا مستحق ہوگا۔ ایھا السقط المراغم ربہ اخرج ابویک من النار یعنی اے ساقط ہوجانیوالے حمل اپنے پروردگار سے بہت جھگڑنیوالے جا اور اپنے ماں باپ کو دوزخ سے نکال لے۔ اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں جنہیں صبر اور شکر کی بھی بعض مقام پر شرط ہے۔ اب خیال کیجئے کہ آخرت کی زندگی ایک پائدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے اس کے حصول کے لئے یہ مرجانیوالی اولاد بالخصوص جبکہ صبر اور شکر سے کام لیا گیا ہو تریاق کا کام دینے والی ہے اور آخرت کا عذاب وہ عذاب ہے کہ دنیا کی جملہ انواع کی تکالیف ایک طرف اور آخرت کے عذابوں کی ایک قسم کی تکلیف چند منٹوں کی ایک طرف ہو تو یہ آخرت والی تکلیف اسپر بالا ہوجائیگی۔ اور یہ مرجانیوالی اولاد آخرت کے جملہ عذابوں سے بچانیوالی ہے۔ لہذا میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو دنیا میں بچپن میں ایک یا زیادہ اولاد کے مرجانیکی صورت پیش آگئی ہو تو اسکو بہت خوش ہونا چاہئے۔ کہ الحمد للہ ہماری مغفرت کا سامان خداوند کریم نے پیدا کردیا۔ اور یہ اولاد ہماری پیش خیمہ بنکر ہم سے پہلے بارگاہ الٰہی میں پہنچ گئی۔ ہمارا خداوند کریم خاتمہ ایمان پر کردے تو اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی نعمت نہیں ہوسکتی۔ ایسی نعمت پر اولاد کو دنیا میں باقی رہنے کی نعمت ہزار مرتبہ قربان ہے۔ الحاصل عقلمند مسلمان کو تو یہاں فقط خوش ہونیکا مقام ہے

(۳) دوسری بات غور کی یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے پاس امانت لاکر رکھتا ہے تو ہم پر بہت بڑی ذمہ داری

پڑجاتی ہے۔ اور جب تک اس کی امانت اسکو ادا نہیں کردی جاتی جبتک بوجھ ہلکا نہیں ہوتا اور جب ادا ہوجاتی ہی تو سمجھدار اور امانت دار طبیعتیں بہت زیادہ خوش اور ہلکی ہوجاتی ہیں۔ اور خیال کرتی ہیں کہ آج ہمارے سر سے بہت بڑے پہاڑ کا بوجھ اوتر گیا۔ اسی بنا پر وہ حمد وثنا بھی کرتی ہیں۔ ہاں دروغگو بے اطمینان، خائن طبیعتیں رنجیدہ ہوتی اور آہ وادیلا کرتی ہیں۔ ہمکو جو کچھ اس دار فانی میں عطا کیا گیا ہی وہ سب خداوند کریم کی امانت ہی خصوصًا اولاد جنکی حفاظت پرورش تعلیم وغیرہ ہم پر لازم ہوتی ہے اور کمی کرنیکی صورت میں مواخذہ کا کھٹکا ہر وقت سر پر ہے۔ اس امانت کا رکھنے والا جب اپنی امانت کو واپس لے لیتا ہی تو ہم اگر رنجیدہ خاطر ہوں تو آپ ہی فرمائیں ہم خائن کہلانے کے مستحق ہونگے یا امانت دار۔ اور کیا ہم عتاب کے مستحق ہوں گے یا ثواب کے۔

افسوس ہم کس شدید اور قبیح غلطی میں مبتلا ہیں۔ ہم امانتوں کو اپنی ملک اور کفران نعمت کو شکر اور احسان کو کفران سمجھ رہے ہیں۔ غرضکہ ہمارے لئے اولاد کے مرنے پر خوشی کا مقام بقابلیکہ رنج کرنا سراسر غلطی اور قبیح ہی۔ امانت رکھنے والے نے جو امانت باقی رکھی ہی اوسکی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اُسکا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اور جب امانت کو ہم سے واپس لیکر ہمارے بوجھ کو ہلکا کردیا ہے اس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

(۳) بندہ اور غلام کا فرض یہ ہی کہ اپنے آقا کی خوشی اور اسکی رضا میں فنا ہو۔ دن ورات یہی دھن رہنی چاہئے اور جس بات میں اس کا آقا خوش ہو اسکی دن ورات کوشش کرنی چاہئے ورنہ برابری اور ہمسریت کا دعویٰ شمار ہوگا کسی اعتراض کو جگہ دینا یا دل کا غم آلودہ ہونا۔

بندگی اور غلامیت کے بالکل ہی خلاف ہو۔ پس جبکہ کسی بچے یا کسی نعمت کو آقا نے ہم سے لیلیا تو اس کے اس فعل سرتاپا حکمت پر صدمہ یا ناراضی کا اظہار ہونا نہایت زیادہ بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔ ہمارا فرض یہی ہو کہ دل اور زبان سے یہی کہیں۔

راضی ہیں ہم اسمیں خلاف جس میں کہ ہو تیری رضا

ہمکو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا مصائب کے وقت میں خاص طور سے اتباع کرنا ضروری ہے، انھوں نے اسوقت میں نہایت صبر و استقلال سے کام لیا ہو۔ آپ دونوں صاحبونکو بھی یہی چاہیے۔ ان اسلاف کرام کا اتباع باعث رحمت ہے۔ امیدوار ہوں کہ خادم کو دونوں صاحب دعا سے فراموش نہ فرمائیں گے۔ میں یہاں عید تک مقیم ہوں اسکے ساتھ ساتھ ہی دیوبند روانہ ہونگا (انشاء اللہ) مقدمہ کی کیفیت سے مطلع فرمائیے۔ دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے فجر کے فرض اور سنت کے درمیان میں چالیس دفعہ سورہ فاتحہ اول و آخر درود شریف تین تین بار پڑھ لیا کریں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ گھر میں بعد از سلام مسنون مضامین مذکورہ بالا سنا دیں اور نہایت تاکید میری طرف سے کردیں کہ وہ خداوند کریم کے تقدیر کئے ہوئے امور پر خوش رہیں۔ صبر کرنا تو ادنیٰ درجہ ہے اور پھر آخرت کی نعمتوں کی فکر میں اپنے دل اور دماغ ہاتھ اور پیر کو لگایا کریں۔ واقفین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کردیں۔ والسلام

از سلہٹ خلافت آفس۔ ۹ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

مزاج شریف۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ بال رکھنا یقیناً سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) ہے۔ والد ماجد کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اہلیہ محترمہ کی خواہش بھی جبتک کہ حدود شرع سے باہر نہ ہو پوری کرنی مستحسن اور مطلوب ہے امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تحب ان اتزین لھا کما احب ان تتزین لی (ترجمہ) میری زوجہ چاہتی ہے کہ میں اس کے لئے زیب و زینت کروں جس طرح میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے لئے زیب و زینت کرے۔ خلاصہ یہ کہ زینت بھی اول حقوق میں سے ہے جنکا پورا کرنا زوجین پر ایک دوسرے کے لئے مطلوب ہے۔ قرآن شریف میں ہے ولھن مثل الذی علیھن اس میں بہت سے مصالح بھی ہیں مگر اسی کے ساتھ ساتھ اپنے مصلح اور ہادی سے فائدہ اور اصلاح جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس کے اس طرح سپرد کردے جس طرح مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے (کالمیت فی ید الغسال) نیز یک در گیر محکم گیر پر عامل ہو۔ یعنی جس شخص کا دروازہ پکڑا ہے اسکو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے۔ آج یہاں کل وہاں نہ ہونا چاہئے۔

بنا بریں آپ خود مولانا محمد احمد صاحب موصوف سے ہی رجوع فرمائیں اور عرض کریں کہ حضور میں جناب کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا ہوں مگر بالوں کے رکھنے میں علاوہ سنت مصطفویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) ہونے کے والد ماجد کی حکم کی اطاعت اور اہلیہ محترمہ کی خواہش بھی ہے جس کی وجہ سے بہت سے مصالح دینی اور دنیوی پوری ہونے کی صورتیں ہیں۔ اس لئے اب آپ ان حالات پر غور فرما کر جو حکم مناسب سمجھیں صادر فرمائیں۔ مجکو قوی امید ہے کہ مولانا موصوف اس حکم کو اٹھالیں گے۔ اور اگر چاہیں تو میرا عریضہ ہی مولانا کی خدمت میں پیش کردیں۔ اور بعد سلام مسنون عرض کردیں کہ حسین احمد کہتا ہے کہ ان احوال کے موجود ہوتے ہوئے دور از نصیحت نہ ہوگا کہ بالوں کے کٹانے کا حکم واپس لے لیا جائے۔ اور دوسرے طریقوں سی کام لیا جائے۔ والسلام

دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۳ ذی الجہ ۶۵ھ

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامہ باعث عزت افزائی ہوا۔ یاد فرمانے کا شکریہ ادا کرتا ہوں کتابوں میں دیکھ کر خود ذکر کرنا اس طرح غیر صحیح ہے جس طرح کسی مریض کا کتب طبیہ کو دیکھکر اپنا علاج کرنا۔ مشکل یہ ہے کہ آپ کہاں ہیں اور میں کہاں ہوں اگر ملاقات ہوتی تو اس کا حل بخوبی ہو جاتا۔

مجھے معلوم نہیں کہ آپ کو فرصت کتنی ہے بہر حال آپ اسم ذات یعنی لفظ (اللہ) زبانی بغیر آواز کے آہستہ آہستہ روزانہ پچیس ہزار مرتبہ کہا کریں۔ دن رات یعنی چوبیس گھنٹہ میں یہ مقدار پوری ہو جائے خواہ ایک مجلس میں ہو یا چند مجلسوں میں۔ با وضو کیا کریں۔ بوقت ذکر یہ خیال ہو کہ میرا محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی محبت کی وجہ سے اس کا ذکر زبان پہ جاری ہے۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۳ صفر ۱۳۶۶ھ

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ یاد فرمانے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دماغ پر خشکی کے اثر زائل کرنے کے لئے روزانہ یا دوسرے دن ناک میں روغن بادام شیریں کے چند قطرے دونوں نتھنوں میں ڈلوالیا کریں اس طرح پر کہ تکیہ پر سر رکھ کر لیٹیں کہ سر کا حصہ نیچے ہو جائے اور گردن اونچی رہے۔ تاکہ ناس لیا ہوا روغن دماغ تک پہونچ جائے۔

ذکر پاس انفاس کرتے ہوئے الظاہر والباطن کا تصور ہونا چاہیے سورہ حدید پارہ ۲۷ میں فرمایا گیا ہے ھوالاول والاخر والظاہر والباطن۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں گیا مگر اجمالاً ہر ایک ایسی ذات مقدسہ کو جو کہ تمام عالم کی پیدا کرنے والی اور پالنے والی ہے جملہ عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ اور تمام کمالات سے موصوف ہے سمجھتا ہے اور یقین رکھتا ہے اس ذات مقدسہ کے لئے فرمایا گیا ہے کہ وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے بعد ہے اور وہی سب سے باہر ہے۔ اور وہی سب کے اندر ہے۔ اس لئے باہر سے سانس آنے کے وقت میں یہ تصور کرتے ہوئے لفظ اللہ کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلال و کمال کے ساتھ باہر موجود ہے۔

اور سانس نکالنے کے وقت میں لفظ کو کہتے ہوئے یہ تصور ہونا چاہئے کہ وہی اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ اپنی عظمت و جلال کے ساتھ میرے باطن قلب و روح میں جلوہ افروز ہے۔

خیالات کے انتشار کو حتی الوسع روکئے اور ذکر و مذکور (یعنی ذات مقدسہ ربانیہ) کی طرف جہاں تک ممکن ہو توجہ کیجئے۔ مگر اس میں اگر پوری کامیابی بالفعل نہ بھی ہو تو ذکر میں کوتاہی نہ فرمائیے۔ تصور مرشد ہرگز نہ کیجئے۔ ذکر میں رونا آتا ہے بہت اچھا ہے۔ اور نسبت چشتیہ کا ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ اور روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔ بدن میں جنبش کا ہونا ذکر کے نفوذ کی علامت ہے۔ وللہ الحمد۔ بعض وقت میں دل نہ لگنا قبض طبعی کی وجہ یا کسی گناہ کی نحوست سے ہوتا ہے۔ استغفار کی کثرت کیا کیجئے۔ وقت پر آنکھ کھلنا وغیرہ نعمت خداوندی ہے۔ حمد اور ثنا اور شکر کی کثرت کیجئے۔ اس روسیاہ کو بھی دعا سے یاد رکھئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والانامہ عین انتظاری میں پہنچا عزیزم محمد امین سلمہ کی طرف سے فکر اور انتظار رہتا تھا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے شفا بخشی اللہ تعالیٰ عزیز مذکور اور دوسرے بچوں کو صحیح وسالم طویل العمر نیک وصالح کرے آمین محترم المقام میں خود ہی ایک ننگ خلائق روسیاہ۔ ناکام ونامراد سگ دنیا ہوں مجھکو خود اپنی حالتوں پر شرم آتی ہے مجھکو کب سزاوار ہے کہ ان امور کا مدعی ہوں جو کہ اہل اور اکابر کے شایاں ہیں۔ آپ حضرات کا فقط حسن ظن ہے کہ ایسے نالائق کی نسبت اچھا خیال رکھتے ہوئے انتہائے عقیدت قائم کئے ہوئے ہیں شاید انھیں امور کی بناء پر فضل الٰہی شامل حال ہوجائے۔ ع علم جو کچھ ہے وہ بے سعد عمل ہیں سو خراب

سودہ گشت از سجدہ راہ بتاں پیشانیم ؛ چند برخود تہمت دین مسلمانی نہم

رسوم وبدعات کی چیزوں کے متعلق اچھا یہی معلوم ہوتا ہے کہ احباب واعزہ کو مطلع کردیا جائے کہ ہم ان چیزوں کو نہ اپنی لئے پسند کرتے ہیں اور نہ دوسروں کیلئے اسلئے نہ ہم تمکو دینگے اور نہ لینگے۔ یہ معاملہ ہر عزیز قریب وبعید دولتمند اور غریب سے برابر کیا جائے۔ خواہ لوگ متکبر کہیں یا متواضع۔ ہاں انکے ساتھ میل جول محبت اور خوش خلقی میں کمی نہ کیجائے۔ عقیقہ ولیمہ وغیرہ میں لین دین بھی برابر جاری رہے اور آمد ورفت بھی رکھی جائے۔ گھر میں اور بھائیوں وغیرہ سے سلام مسنون عرض کردیں۔ والسلام۔ مکرر اینکہ رشتہ داروں کے طعنے اور بدزبانی پر زیادہ تحمل کریں اور جہاں تک بھی ممکن ہو قطع علائق اور سخت گوئی کو پاس بھی نہ آنے دیں انکے مظالم کو بنظر عفو دیکھیں۔ دعوات صالحہ اور خدمات لائقہ سے اس نالائق کو یاد فرماتے رہیں۔ والسلام از دیوبند ۱۱ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف - آپ کا والا نامہ مورخہ ۸ نومبر باعث سرفرازی ہوا۔ یاددہانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کی اور داؤد خاں صاحب کی خیر و عافیت اور مستقل مزاجی معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور دارین میں فائز المرام فرمائے آمین۔ آپ کے بچوں کے انتقال اور اہلیہ محترمہ کے مسلوب الحواس ہونے سے بہت صدمہ ہوا۔ میرے محترم یہ امور تقدیری ہیں جو کہ آپ کے اور ہمارے پیدا ہونے سے پہلے بلکہ عالم کے ظہور سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ نے لکھدیئے تھے وہ پیش آنے ضروری تھے۔ انسان کا پروردگار کے حکم کے سامنے کوئی چارہ نہیں۔ بندہ کو آقا کے سامنے سر جھکانا ہی پڑتا ہے اس لئے صبر سے کام لیجئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بچے بالغ ہونے سے پہلے مرجاتے ہیں وہ ماں باپ کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ اور دلوا رہین جاتے ہیں۔ اس لئے آپ کو مطمئن اور شکر گذار ہونا چاہیئے کہ وہ آخرت میں آپ کے لئے ذخیرہ نجات بن گئے اگرچہ دنیا میں جدائی دے گئے۔ اور یہاں کام نہ آئے مگر آخرت میں

انشاء اللہ کام آئیں گے۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں نیز اپنے گاؤں کے لوگوں کو نماز اور پنجگانہ جماعت کی پابندی کی تاکید فرماتے رہیئے۔ داؤد خاں سے سلام مسنون عرض کردیں والسلام۔ لیگیوں کی دست درازیاں ان کی بے سمجھی کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ ان کی جماعتیں ہندوستان میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری ہدایت کرے اور مسلمانوں کو ہر گزند سے محفوظ رکھے آمین۔ ہمکو اور آپ کو صبر و سکون سے کام لینا چاہیئے۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

۲۴ ذی الحجہ ۶۵ھ



اپنی باتیں

ایک مجلس میں تذکرہ ہوا کہ امیر الہند مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم سید ہیں یا نہیں۔ اس مذاکرہ میں اسقدر شدت ہوئی کہ آپس میں رنجشیں ہوگئیں۔ بجواب عریضہ ہذا حضور اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔ ہم سب حضور والا کے دامن سے وابستہ ہیں۔ مگر ہم میں سے بہت سے اہل سادات کسی دوسری قوم کو فخر خاندانی کی بنا پر اپنا رہنما ماننے پر تیار نہیں۔

منجانب

سادات شیخپورہ۔ مرزاپور۔ مادھوپور وغیرہ

ضلع سہارنپور

جواب از حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ یادآوری کا شکر گذار ہوں ۔ میرے متعلق نسبی حیثیت سے سید ہونے کا انکار جن حضرات نے کیا ہے وہ اس کے ذمہ دار ہیں ۔ میں تو اپنے نام کے ساتھ سید لکھتا بھی نہیں ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ مدار نجات نسب نہیں ہے ۔ عمل ہے ۔ اگر نسبی حیثیت سے کوئی اعلیٰ درجہ کا عالی نسب ہے مگر اعمال قبیح ہیں تو مثل پسر نوح علیہ السلام وہ راندۂ درگاہ خداوندی ہے ۔ اور اگر چمار زادہ یا بھنگی زادہ ہے مگر وہ مسلمان متقی ہے تو اسکی فوز و فلاح مثل حضرت عمل و صہیب رضوان اللہ علیہما ہے ۔ میرے عمل اس ادعار کی اجازت نہیں دیتے ۔ مجھکو شرم آتی ہے ۔

محترما ! میں الہداد پور ۔ قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد کا باشندہ ہوں ۔ الہداد پور قصبہ ٹانڈہ کے بالکل متصل ہے ۔ تقریبًا چار سو برس یا اس سے زائد سے ہمارے خاندان کی جائے سکونت ہے وہاں کے اطراف و جوانب میں ضلع سلطانپور ۔ اعظم گڈھ ۔ اور ضلع فیض آباد کے دیہات اور قصبات میں صرف سادات اور

بڑے ذات کے شہزادوں میں ہماری رشتہ داریاں صدیوں سے چلی آتی ہیں۔ ہمارا آبائی پیشہ زمینداری اور پیری مریدی ہے۔ شاہان دہلی مغلیہ خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے یا ان سے پہلے بادشاہوں نے ہمارے اعلیٰ مورثوں کو (۴۲) گاؤں دیئے تھے جنہیں سے ۱۸۵۷ء تک ۱۳ باقی رہ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ایک ہندو راجہ نے جس سے پہلے سے عداوت چلی آتی تھی بڑوں کے انتقال اور بدعملی کی اشاعت کی وجہ سے سب پر قبضہ کرلیا اور الہداد پور کو لوٹ لیا۔ ہمارے قدیمی کاغذات وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ بے شمار خزانے اور غلہ اور سامان اسی نے لوٹے جس کو وہ ایک مہینہ تک گاڑیوں میں نقل کرتا رہا۔ اس کے حصار کے زمانہ میں عورتیں اور بچے بھیس بدل کر رشتہ داروں کے یہاں شہر ٹانڈہ کے بعض محلوں میں جو کہ مامون تھے پناہ گزین ہو گئی تھے اور دوسرے لوگ بھی نوکروں اور رعایا کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے تھے بہرحال اگر کسی کو تفتیش کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ح دور نہیں ہے وہاں جاکر تفتیش کرکے حال معلوم کرسکتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد صرف دو گاؤں ہمارے خاندان کے پاس باقی رہ گئے تھے جنہیں سے والد مرحوم کا ایک آنہ آٹھ پائی تھا جس کو فروخت کرکے والد مرحوم نے حجاز کا قصد کیا تھا۔

ہمارے مورث اعلیٰ جو کہ الہداد پور میں اولاً پہونچے ہیں ان کا نام شاہ نور الحق قدس اللہ سرہٗ العزیز ہے۔ ان سے لیکر مجھ تک سترہ پشتیں گذری ہیں بسلسلہ حسب ذیل ہے۔

حسینؒ[1] احمد بن سید حبیب اللہ[2] بن سید[3] پیر علی بن سید[4] جہانگیر بخش بن شاہ[5] نور اشرف بن شاہ[6] مدن بن شاہ[7] محمد ماہ شاہی بن شاہ[8] خیر اللہ بن شاہ[9] صفت اللہ بن شاہ[10] محب اللہ بن شاہ[11] محمود بن شاہ لدھن ابن شاہ[12] قلندر ابن شاہ[13] منور بن شاہ[14] راجو بن شاہ[15] عبد الواحد بن شاہ[16] محمد زاہد بن شاہ نور الحق[17] قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

یہانتک ہمارا شجرۂ نسبی موجود ہے۔ اس کے بعد کا شجرۂ طریقت ہے نسبی موجود نہیں شاہ نور الحق صاحب خلیفہ ہیں شاہ داؤد چشتی کے وہ شاہ عناب الدین چشتی کے وہ شاہ نجم الدین چشتی کے وہ شاہ رومی چشتی کے وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ وقدس اسرارہم کے۔ اس کے بعد شجرہ میں وہی اسماء بزرگان طریقت کے درج ہیں جو حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شجروں میں مذکور ہیں۔

ہمارے خاندان کے بڑے۔ میرے تایا۔ والد۔ ماموں، ماموں ہر دو بھائی کے آبائی اور خاندانی مرید ضلع گونڈہ بستی۔ گورکھپور۔ فیض آباد وغیرہ کے دیہات اور اطراف میں تھے اور اب تک چلے جاتی ہیں۔ اکثر رشتہ داروں نے پیری مریدی چھوڑ دی ہے۔ مگر بعض بعض نے ابتک غربت کی وجہ سے اسی پر گذران کر رکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اخیر ایام میں یعنی ۱۸۵۷ء کے قریبی ایام میں جہالت اور دنیاداری کا ہمارے خاندان پر غلبہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے ہماری نانی مرحومہ نے جو کہ خاندان ہی کی تھیں والد مرحوم پر زور دیا کہ تم کسی کامل سے بیعت ہو جاؤ کیونکہ اب طریقت کی تعلیم اور کمال خاندان میں باقی نہیں رہا۔ چنانچہ ہمارے والدین ماجدین حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے اور شرف حاضر بارگاہی حاصل کیا۔ بہرحال یہ احوال مختصرہ ہیں۔ والحقیقۃ عند اللہ۔

محترما! اگر قبولیت عند اللہ نصیب ہو تو نجاح اور فلاح ہے ورنہ سب کچھ ہیچ ہے۔ اخباروں وغیرہ میں ایسے مضامین لانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کو ضرورت ہے کہ اپنی قوم کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ترقی دیں نسبی حیثیت سے غرور اور تکبر بے موقعہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ترقی سے مانع ہو جاتا ہے۔ سادات پر تمام مسلمانوں کی خدمت گذاری ضروری ہے نہ یہ کہ

سادات تمام مسلمانوں کو اپنا غلام سمجھیں اور ان سے خدمت کی خواہش کریں۔ تذکرۃ الاولیار میں ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بغداد میں ایک بڑے مجمع کے سامنے فرمانے لگے کہ بھائیو تم میں سے جس کو روز قیامت میں اللہ تعالیٰ بخش دے تو میری شفاعت کرنا۔ لوگوں نے تعجب کیا اور کہا کہ کیا ہم آپ کی شفاعت کریں حالانکہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے ہیں تو فرمانے لگے کہ یہی چیز میرے لئے باعث بے چینی ہے۔ امت کے تمام مسلمان میرے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں اور میں ان کے خاندان کا بچہ ہوں۔ قاعدہ ہے کہ مہمانوں کی خدمتگذاری خاندان کے چھوٹوں پر ضروری ہوتی ہے۔ اگر وہ کوئی کوتاہی کرتا ہے تو صاحب خاندان بہت خفا ہوتا ہے۔ اور چھوٹوں کو سرزنش کرتا ہے۔ اگر قیامت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر مجھ سے سوال کیا کہ جعفر تم نے میرے مہمانوں کی کیا خدمت کی تو میں شرم کی وجہ سے منہ نہ اٹھا سکوں گا۔

یہ ارشاد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے اور سادات کے لئے نہایت عبرت کا فرمان ہے۔ مگر افسوس کہ ہم انتہائی غفلت میں مبتلا ہیں۔ میں نے جب سے یہ ارشاد دیکھا ہے۔ بہت فکرمند رہتا ہوں

اللہ تعالٰے مدد فرمائے۔

ہمیں فخر نسبی کا موقعہ صرف اسی وقت حاصل ہوسکیگا جبکہ اللہ تعالٰے کی مغفرت اور ہمارے آقا و ولی نعمت نانا جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوجائے۔ اس سے پہلے یہ مفاخرت جہالت اور نادانی ہے۔

سادات کا فرض سب سے زیادہ اور اولین ہے کہ آقائے نامدار علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کو زندہ اپنے عمل سے کریں اور آپ کی سنتوں پر نہایت مضبوطی سے چلیں اور ہر امتی کا خواہ وہ کیسا ہی غریب اور جاہل اور چھوٹی ذات کا مسلمان ہو احترام کریں۔ اور اس کی خدمتگذاری کریں۔ وہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان اور بلایا ہوا مہمان ہے

امیدوار ہوں کہ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں گے اور واقفین پرسانِ حال سے سلام مسنون کہدیں گے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

از دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

۱۳/۶/۶۵ھ

سیاست ملیہ

جناب حافظ محمد صدیق صاحب نے چاہ میراں والا ڈاکخانہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ پنجاب سے سیاسی سوالات کیے، جس کے جوابات درج ہیں۔

محترم المقام زیدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج شریف والانامہ باعث عزت افزائی ہوا۔ مجھکو گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے اسقدر فرصت نہیں ہے کہ آپ کے سوالات کا تفصیلی جواب عرض کرسکوں۔ اگرچہ آپ کے سوالات تفصیل طلب ہیں لیکن تنگی وقت کی بناء پر مختصراً جوابات پر اکتفا کرتا ہوں۔

اسلام نے کسی صورت میں بھی غلامی پر قناعت نہیں کی۔ بہت سی نصوص سے دلالۃً و اشارۃً ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا تقاضہ حکومت اور سربلندی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ وکفی باللہ شھیداً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الاسلام یعلو ولا یعلی۔ شامی میں ہے والملوک الذین یطیعونھم عن ضرورۃ مسلمون ولوکانت الاطاعۃ عن غیر ضرورۃ منھم فساق و اما طاعۃ الکفرۃ فذالک مخادعۃ (شامی جلد ۴ صفحہ ۲۷۴)

اگر کسی اسلامی ملک پر کفار کا ہجوم ہو تو مسلمانوں پر ان کا دفع کرنا اور اُن سے جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے اگر اس ملک کے مسلمان تساہل سے کام لیں تو بتدریج تمام مسلمانان عالم پر یہی فرض عائد ہو جاتا ہے درمختار وحاشیہ ردالمحتار جلد۳ صفحہ ۳۰۶ عالمگیری جلد ۲ صفحہ اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس ملک کو کفار کے تسلط سے نجات دلانے کے لئے احکام کفار کی نافرمانی سے لیکر جہاد بالسلام تک جو ذریعہ مقاومت بھی ان کے امکان میں ہو اس کو کام میں لائیں۔ مسلمانان ہند کی اجتماعی قوت اور ان کے موجودہ سیاسی احوال کے پیشِ نظر چونکہ ہندوستان کے علماء اور تمام اہل الرائے حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ حکومت مسلطہ کے خلاف متشدّانہ ذرائع سے جنگ کرنا مسلمانوں کی وسعت و طاقت سے باہر ہے اس لئے پُرامن ذرائع ہی اختیار کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے لیکن اگر تنہا مسلمان اس قسم کی جدوجہد کریں تو ناکامی بالکل بدیہی ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کے سیاسی و اقتصادی نقصانات بدیہی ہیں اس لئے حکومت کے خلاف پرامن جدوجہد کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کی دوسری قومیں بھی اس میں شریک ہوں مختلف قوموں کے اس اشتراک کی وجہ سے آزادی کے بعد ملک میں جو نیا نظام قائم ہو گا اس کی تعمیر میں

مسلم و غیر مسلم دونوں شریک ہوں گے۔ یہ مشترکہ نظام اگرچہ مکمل طور پر اسلامی معیار کے مطابق نہ ہوگا۔ تاہم اس میں مسلمانوں کا ایک اہم اور موثر عنصر ہوگا اب یہ خود مسلمانوں کی حکمت تبلیغ پر منحصر ہے کہ وہ آنیوالے نظام کو کس حد تک اسلامی معیار پر ڈھال سکتے ہیں انہی وجوہ سے آزادی کے بعد قائم ہونے والے مشترکہ نظام کو موجودہ نظام کے مقابلہ میں اہون لبلیتین قرار دیا جاتا ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے بطور اصول اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس ضروری تمہید کے بعد ہندوستان کے آئندہ نظام حکومت سے متعلقہ سوالات کا جواب بہ ترتیب حسب ذیل ہے۔

(۱) ہندوستان کا آئندہ نظام جمہوری ہوگا جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ انتخاب کے ذریعہ معینہ عرصہ کے لئے ایک صدر جمہوریہ کا انتخاب ہوتا رہیگا۔ صدر جمہوریہ کبھی مسلمان ہوگا کبھی غیر مسلم ہوگا لیکن اس کو شاہانہ اختیارات حاصل ہوں گے۔

(۲) مرکزی حکومت میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا تناسب اگرچہ کم ہوگا لیکن بنیادی آئین میں مسلمانوں کے لئے ایسے تحفظات رکھے جائیں گے کہ مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی و اقتصادی حقوق پوری طرح محفوظ رہیں گے۔ وہ مضامین جو مرکزی حکومت کے ماتحت ہونگے

بہت ہی محدود ہوں گے۔ مثلاً دفاع۔ معاملات خارجہ۔ رسل و رسائل اور بعض محدود مالی اختیارات۔ ان کے علاوہ تمام معاشرتی و تمدنی مسائل صوبوں کے تحت اختیارات ہوں گے۔ اس لئے اس سلسلہ میں قوانین شرعی کے اجرا کا نفاذ کا مسئلہ صوبائی حکومتوں سے متعلق ہے مسلم اقلیت کے صوبوں میں بھی ایسے تعلقات دیئے جائیں گے کہ مسلمانوں کو اپنے قوانین اور اپنے قانون شخصی (پرسنل لا) پر عمل کرنے کی آسانیاں حاصل ہوں۔

(۳) نظام تعلیم صوبوں کے تحت اختیار ہوگا اس لئے مسلم اکثریت کے صوبوں پر تو آپ کا سوال عائد ہی نہیں ہوتا۔ اقلیت کے صوبوں میں بھی چونکہ مسلمان صوبوں کے نظام حکومت میں مختلف تناسب کے ساتھ شریک ہوں گے اس لئے ان کو حق ہوگا کہ حکومت سے اپنی مذہبی تعلیم کے تحفظ کا مطالبہ کریں۔ خواہ اس کیلئے مزید ٹیکس عائد کرنا پڑے یا بطور خود اپنی مذہبی تعلیم کا انتظام کریں جس کی آزادی ان کو حاصل ہوگی اگر نظام تعلیم اور تعلیمی نصاب مسلمانوں کے قومی و ملی مزاج کے مخالف نہ ہو محض اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے کلاسوں میں مسلم اور غیر مسلم طلبا کے ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا جبکہ تعلیمی اداروں کے

باہر مختلف ادارہ ہائے حکومت و تجارت و صنعت میں مسلم و غیر مسلم کی شرکت اور شہری و دیہاتی زندگی میں ان کے اشتراک سے گریز ناممکن ہے۔ مسلمانوں میں خالص اسلامی تہذیب کی اشاعت اور غیر اسلامی اثرات کی مدافعت نجی اصلاحی اداروں کے ذریعہ عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

(۴) ہندوستان کی آزادی کا سوال ایک ملکی اور قومی سوال نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی ملی آزادی کا مسئلہ ہے۔ انگریزی تسلط سے آزاد ہونے کے بعد اعلاء کلمۃ الحق کے وسائل اختیار کرنے کے لئے نہ صرف ہندوستان کے مسلمان موجودہ حالت سے بہتر حالت میں ہوں گے۔ بلکہ اسلامی ممالک کی غلامی کی زنجیریں بھی کٹ جائیں گی اسلام کے اجتماعی فرائض ادا کرنے کے لئے وہ ہندوستان کی مسلمانوں سے زیادہ آزاد ہوں گے اور ہندوستان کے مسلمان رضاکارانہ حیثیت سے مؤثر امداد کریں گے۔ ہندوستان کی مرکزی حکومت میں مسلمانوں کی مؤثر نمایندگی۔ پورے ملک میں ان کی کثیر تعداد مختلف صوبوں میں ان کی خود مختاری حکومتیں اور ان صوبوں کی جغرافیائی حیثیت مسلمانوں کی قومی و ملی خصوصیات اور ہمسایہ اسلامی ممالک سے ان کا مذہبی و سیاسی اتحاد و تعلقات اس بات کی ضمانت ہیں کہ ہندوستان کی خارجہ پالیسی اسلامی مصالح سے متصادم نہ ہو گی۔

(۵) بلاشبہ اسلامی قوانین ہی دنیا کے لئے حقیقی امن و سلامتی کے ضامن ہیں ہندوستان کی مشترکہ حکومت میں ان قوانین کی حاکمیت مطلقہ قائم نہو گی اور نہ حدود شرعیہ جاری ہوں گی لیکن یہ خود مسلمانوں کا علمی و عملی فریضہ ہے کہ وہ دوسری قوموں سے اسلامی قوانین کی یہ حیثیت تسلیم کرالیں اہون البلیتین آخری منزل مقصود نہیں ہوسکتی مسلمانوں کے لئے سعی و عمل کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہندوستان کی آزادی سے یہ راہیں بند نہیں ہوجائیں گی۔

(۶) آپ کا یہ سوال تمام مغالطوں اور غلط فہمیوں کا سرچشمہ ہے۔ ہندوستان کا نظامِ حکومت خواہ ایک ہی یونین مرکزی کی بنیاد پر قائم کیا جائے یا دو جداگانہ ریاستوں کے اصول پر وہ بہر صورت مشترکہ نظام ہوگا جس میں مسلم و غیر مسلم مختلف تناسب مگر یکساں حقوق و اختیارات کے ساتھ یکساں شریک ہوں گے محض عددی نسبت کے اختلاف سے اس کی مشترکہ حیثیت میں کوئی فرق پیدا نہ ہوگا اس لئے مشترکہ نظام کو اسلامی نظام حکومت یا حکومت الٰہیہ نہیں کہا جاسکتا جہانتک صوبوں کے داخلی مسائل کا تعلق ہے مرکز کی وحدت اور تعدد سے اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا ایک مرکز کے ماتحت بھی صوبے اسی طرح خود مختار ہوں گے جس طرح دو مرکزوں کے ماتحت ان کو آزادی حاصل ہوگی۔ اس لئے اگر مسلمان چاہیں تو ایک یونین میں شریک رہتے ہوئے اس معاشرتی۔ تمدنی اور اقتصادی مسائل میں اس حد تک اسلامی فکر کو بروئے کار

لاسکتے ہیں جس حد تک غیر قوموں کا اشتراک اسکو برداشت کر سکتا ہے۔
پاکستان کے مشرقی و مغربی منطقوں میں بہ ترتیب ۳۹ اور ۴۰ کی نسبت
سے ایک منظم غیر مسلم اقلیت موجودہ کی وجہ سے خالص اسلامیہ کو بروئے کار
لانے میں جو مشکلات سد راہ ہوں گی وہ باخبر لوگوں سے مخفی نہیں ہیں البتہ
دفاع۔ امور خارجہ۔ مواصلات۔ کرنسی اور بعض محاصل مالیہ کے بارہ میں مرکز
کی وحدت اور تعدد سے ایک فرق ضرور نمایاں ہوتا ہے وحدت مرکزی
صورت میں یہ مضامین ایک ایسی یونین کے ماتحت ہوں گے جس میں
مسلمانوں کا تناسب زیادہ سے زیادہ ۴۵ فیصدی ہوگا جو بجائے خود
ایک اہم اور مؤثر تناسب ہے لیکن اس صورت میں ملک کی طاقت
منقسم ہو کر کمزور ہوگی۔ اور خارجی و انسدادی کا امکان کم سے کم ہوگا
ہندوستان کی اس مرکزی قوت سے غیر مسلم اقوام کی طرح ہندوستانی
مسلمان اور ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک بھی مستفید ہوں گے۔
اس کے برعکس اگر یہ موضوعات دو مرکز کے ماتحت تقسیم کر دی جائیں
اور مسلم اکثریت کے صوبوں کا دفاع۔ خارجی پالیسی رسل و رسائل وغیرہ
ایک علیحدہ مرکز کے ماتحت دیدیئے جائیں تو بحیثیت مجموعی ملکی و قومی
نقصانات کے علاوہ اس کا سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو ہی پہنچیگا
ان کی وحدت فنا ہو جائے گی اقلیت کے صوبوں میں ان کی سیاسی و

اقتصادی حیثیت فنا ہو جائے گی۔ اور اکثریت کے صوبوں کی مرکزیت حکومت میں نا قابل حل داخلی و خارجی مصائب میں مبتلا ہو جائے گی بحیثیت مجموعی مسلم اکثریت کے صوبوں کی ہمہ گیر اقتصادی پسماندگی۔ پانچ میں سے تین صوبوں کا خود مکتفی نہ ہونا ۳۹ و ۴۰ فیصدی غیر مسلموں کی منظم اور موثر اقلیت کی مقاومت وغیرہ پاکستان مرکز کے وہ داخلی مسائل ہوں گے جن سے حکومت عہدہ برآ نہ ہو سکے گی اور اپنی حالت کو سنبھالنے کے لئے کسی دوسری طاقت کا سہارا لینے پر مجبور ہو گی جس کی وجہ سے اس کی اقتصادی زندگی کا توازن بیرونی حکومتوں اور غیر ملکی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں پہونچ جائیگا۔ مزید برآں یہ حکومت اپنے وسائل کی قلت اور مصارف کی زیادتی کیوجہ سے ملک کی دفاعی ذمہ داریوں کو بھی صحیح طور پر پورا نہ کر سکے گی اس لئے اس ملک کے دفاع کو دولت مشترکہ برطانیہ کے دفاع سے وابستہ کرتا ہوگا یا اپنے سیاسی مستقبل کی باگ اس کے ہاتھوں میں دینی پڑے گی اور اس طرح یہ تام نہاد سیاسی استقلال روس یا برطانیہ کی سیاسی و اقتصادی غلامی میں تبدیل ہوجائیگا اپنی کمزوری اور تباہ حالی کی وجہ سے نہ اس کو بین الاقوامی سیاست میں کوئی اہمیت حاصل ہو سکے گی اور نہ یہ حکومت اسلامی ممالک کی کوئی مؤثر امداد کر سکے گی بلکہ روس اور برطانیہ کی سیاسی ریشہ دوانیوں کی

آماجگاہ بن کر رہ جائے گی۔ ہندوستان اور پاکستان کے باہمی تعصبات سے برطانیہ کو پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع میسر آئیگا اور اس طرح ہندوستان سے برطانیہ کے تسلط کے خاتمہ کے باوجود از سر نو پاکستان و ہندوستان میں اس کا اقتدار قائم ہوجائیگا۔ پاکستان کے ان یقینی نقصانات کے مقابلہ میں وہ متوقع خطرات بالکل بے حقیقت ہیں جو ہندوستان کی ایک یونین کی صورت میں غیر مسلم اکثریت کی وجہ سے پیش آسکتے ہیں۔ اس لئے پاکستان مسلمانوں کے لئے اہون البلیتین نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی ایک مرکزی حکومت اہون البلیتین ہے۔

(۷) ہندوستان دار الحرب ہے اور وہ اس وقت تک دار الحرب باقی رہے گا جبتک اس میں کفر کو غلبہ حاصل رہیگا۔ دار الحرب کی جس قدر تعریفات کی گئی ہیں اور جو شروط بیان کی گئیں ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی۔ حضرت مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم نے اپنے فتاویٰ میں اس موضوع پر جو بحثیں فرمائی ہیں ان پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ مزید تفصیلات کے لئے جامع الرموز جلد ۴ کتاب الجہاد۔ شامی جلد ۳ صفحہ ۲۳۶ و ۳۳۹ اور فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۲ باب استیلاء الکفار وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۴) دارالحرب میں غدر اور خیانت کے سوا ہر طریقہ سے اہل حرب سے اموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے مباح ہے۔ اس لئے مسلمان اور حربی کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ طرفین کا اصول ہے لان الربوا لا یجری بین المسلم والحربی فی دار الحرب الخ امام یوسف رحہ کے نزدیک حربی کے ساتھ بھی سودی معاملات جائز نہیں ہیں جو لوگ از راہ تقویٰ دارالحرب میں سود لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ امام ابو یوسف رح کے اسی مسلک پر عمل پیرا ہیں لیکن یہ تمام تفصیلات اسی صورت میں ہیں جبکہ سود لینے والا مسلمان ہو اور سود دینے والا حربی ہو مسلمان کا مسلمان سے سود لینا یا غیر مسلم کو سود دینا متفقہ طور پر ناجائز ہے۔

(ب) سرکاری بنکوں میں اور ان بنکوں میں جن کے مالک غیر مسلم ہوں روپیہ جمع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس روپیہ سے کاروبار کرکے وہ مالی استفادہ حاصل کرتے ہیں اور اسی کے منافع میں سے اسلام اور مسلمانوں کی تخریب پر صرف کیا جاتا ہے لیکن جمع کرنے کے بعد اس کا سود نہ لینا اور اس کو بنکوں میں چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے اس روپیہ کو جو بنکوں کے سود کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد کی راہ میں صرف کردینا چاہیئے عالمگیری میں ہے وما اوجف المسلمون علیہ من اموال اہل الحرب بغیر

قتال بصرف فی مصالح المسلمین الخ جلد ۲ کتاب السیر صفحہ ۲۱۸
تفصیلات کے لئے رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۳۴۵ اور شرح السیر الکبیر جلد ۳ صفحہ ۱۴، ۱۷۸ اور ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹ عالمگیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ وغیرہ ملاحظہ فرمایئے۔

(ج) ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔

(۹) استعانت بالمشرکین اور ان کے ساتھ اشتراک عمل کے بارے میں مولانا محمد شفیع صاحب و مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی وغیرہما کی جانب سے جو فتاوی دیئے گئے ہیں ان کے جوابات بھی اخبارات اور مستقل رسائل کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ جمعیۃ العلماء ہند کے دفتر سے یہ جوابی فتاوی حاصل کئے جا سکتے ہیں مجملاً یہ ہے کہ جن لوگوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے انھوں نے حالات کا صرف ایک رخ نمایاں کیا ہے۔ بلاشبہ اگر مسلمانوں میں بذات خود قوت مقاومت موجود ہو اور استعانت بالکفار میں فتنہ کا خوف نہ ہو تو استعانت صرف اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اسلام کے حکم ظاہر اور غالب رہے جبکہ قائلین عدم جواز نے تصریحات پیش کی ہیں لیکن اگر مسلمانوں میں بذات خود قوت مقاومت موجود نہیں اور ان کے لئے کوئی دوسری جائے پناہ بھی نہیں تو اختیار اہون البلیتین

کے اصول کے ماتحت بعض کفار کا مقابلہ بعض کفار کی استقامت جائز ہے جبکہ حضرت ام سلمہ رضؓ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے شرح السیر الکبیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷ - خصوصًا جبکہ مسلمانوں کے مفاد اور مصالحہ بھی پیش نظر ہوں تو ایسی استعانت بالکفار کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے چنانچہ شرح سیر اکبر میں اس قسم کی جزیات بکثرت ذکر کی گئیں ہیں

(۱) ولو قال اهل الحرب لاسراد فیهم قاتلوا معاً عدونا من المشرکین تا الخ) کے ماتحت شارح سرخسی نے فرمایا فلا رخصة فی ذالك الا علی اعزاز الدین والدفع عن نفسه جلد ۳ صفحہ ۲۴۱، ۲۴۲ (۲) ولو قال لاسراء قاتلوا معنا عدونا من اهل الحرب اخرین علی ان نخلی سبیلکم اذا انقضت حربنا الخ) فلا باس بان یقاتلوا معهم) شارح نے اس صورت مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس اعتراض کو بھی دفع کیا ہے جو عام طور پر پیش کیا جاتا ہے فان کیف یسعهم هذا وفیه قوة علی المسلمین. لانهم اذا ظفروا ابعد وهم فامنوا جانبهم اقبلوا علی قتال المسلمین وربما یاخذون منهم الکراع والسلام فیقودن بها علی المسلمین قلنا ذالك موهوم وما یحصل لهم الذن من النجاة عن السراء المشرکین بهذا

القتال معلوم فیترجح ھذا الجانب صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳ -

(۳) وان کانوا فی خوف وبلاء یخافون علی انفسھم الملاک فلا باس بان یقاتلوا معھم المشرکین اذا قالوا نخرجکم من ذلک، لان فی ھذا القتال غرضا صحیحا وھو دفع البلاء والضرر الذی نزل بھم ص ۲۴۳

(۴) ولو ان اھل الحرب ارسلوا الاسراء خاصۃ ان یقاتلوا اھل الحرب اخرین وجعلوا الامیر من الاسراء وجعلوا الھٗ ان یحکم بحکم اھل الاسلام وسلموا بھم الغنائم یخرجونھا الی دار الاسلام فلا باس بالقتال علیٰ ھذا اذا خافوھم او لم یخافوا لانھم یقاتلون وحکم الاسلام ھوالظاھر علیھم ویکون الجھاد ذلک جھادا منھم ص ۲۴۶

جواز استقامت کی ان صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کے مشرکین کے ساتھ ان شرائط پر اشتراک عمل کرنا کہ اس مشترکہ جدو جہد میں فتح حاصل کرلے کے بعد

(۱) ملک کے نظام حکومت میں ان کا ایک مؤثر حصہ ہوگا۔

(۲) مسلمانوں کا قانون شخصی (پرسنل لا) محفوظ ہوگا۔ اور ان کو اسپر عمل کرنے کی آزادی حاصل ہوگی۔

(۳) مسلمانوں کے مذہبی ادارے۔ اوقاف۔ مساجد و مقابر وغیرہ محفوظ رہیں گے۔ ان کا کلچر اور تہذیب و تمدن محفوظ رہے گا۔

(۴) گیارہ میں سے پانچ صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومتیں قائم ہوں گی جو تمام داخلی معاملات قانون سازی نظام تعلیم اقتصادی نظام کے قیام وغیرہ معاشرتی اور تمدنی مسائل میں پوری طرح بااختیار ہوں گی کیا مسلمانوں کے مفاد اور مصالح کے اعتبار سے مفید نہیں ہے یہ مصلحتیں اور مفادات ان اغراض سے بہت زیادہ اہم ہیں جن کی بناء پر استعانت بالمشرکین کی اجازت دی گئی ہے۔ اس لئے ہندوستان کی آزادی غیر مسلم جماعتوں اور قوموں سے اشتراک عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ واللہ اعلم والیہ یقول الحق وھو یہدی السبیل۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
مزاج شریف۔ والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ احوال مندرجہ کو پڑھکر سخت تعجب ہوا۔ آپ جیسا سمجھ دار، تجربہ کار بھی غلط جذبات میں پھنس رہا ہے۔ میرے محترم دوست آپ کو معلوم ہے کہ اگرچہ تمام غیر اسلامی مذاہب اور ان کے ماننے والے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ مگر سب دشمن ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا ہے۔ ہر دشمن سے اس کے درجہ کے موافق مقابلہ کرنا لازم ہوگا۔ جب سے اسلام نے ظہور کیا ہے انگریز کے برابر اسلام اور مسلمانوں کو کسی قوم نے نقصان نہیں پہونچایا۔ انگریز دوسو برس سے زیادہ عرصہ سے اسلام کو فنا کر رہا ہے۔ اس نے ہندوستان کی اسلامی طاقت کو فنا کیا۔ بادشاہوں اور نوابوں اور امراء کو قتل کیا۔ ان کی فوجوں کو برباد کیا۔ حکومتہائے اسلامیہ کو تہ وبالا کیا۔ خزانوں کو لوٹا۔ اپنا اقتدار کا خزانہ قائم کیا۔ اپنے قوانین کو جاری کیا۔ ہندوستان کی تجارت صنعت، علم تہذیب وغیرہ کو برباد کیا۔ ٹیکسوں اور لگانوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہر قسم کی مالی لوٹ جاری کرکے اپنے ملک کو غنی اور ہندوستان کو کنگال بنایا۔ ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو

انتہائی ذلیل، نادار، بے کار، بے روزگار بنایا۔ مسلمانوں سے ہندوستان کے دوسرے مذہبوں والوں کو متنفر کر کے دشمنی کی آگ بھڑکائی۔ اور مسلمانوں کو ہر جگہ بے ہتھیار اور کمزور کیا۔ ہندوستان میں اسلامی قوانین کے خلاف شراب اور منشیات کی آزادی، زنا اور بدکاری کی آزادی، الحاق و زندقہ و ارتداد کی آزادی، عدالتوں میں خلاف اسلام قانون کا اجرار۔ اور ویسا ہی موافق فیصلہ جات جاری کیے، محکمۂ قضاء کے خلاف معاہدہ مٹا کر مسلمانوں کے اسپیشل قوانین کو ملیامیٹ کیا وغیرہ وغیرہ۔ ہندوؤں کو قصداً بڑھا کر ہر محکمہ اور ہر شعبۂ زندگی میں قوی تر کیا۔ اور سود در سود کو جاری کیا۔ غرضکہ ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان میں برباد کیا۔ اور جبکہ مسلمانوں نے اپنے فطری اور شرعی حق آزادی کے لئے جدوجہد کی تو ان پر اس قدر مظالم کئے کہ ان کی یاد سے بھی دل تھراتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی تاریخ اور اس سے پہلے کے واقعات دیکھئے۔ معاہدات اور وعدے جو کہ ۵۷ء سے پہلے کئے تھے۔ اور جو ۵۸ء میں ہوئے ان کو بار بار توڑتے رہے۔ غرضکہ ہندوستانی مسلمانوں کے خصوصاً اور تمام ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ عموماً وہ شرمناک معاملے کئے کہ وہ ہندوستان جو کہ کبھی جنت نشاں تھا جہنم نشاں بن گیا۔ وہ ہندوستان جو کہ دولت اور ثروت کا مرکز تھا وہ فقر و فاقہ۔ افلاس و تنگدستی کا اڈہ ہو گیا۔

وہ ہندوستان جوکہ علم اور حکمت کا سمندر تھا وہ جہالت اور بد دینی کا چٹیل میدان ہو گیا۔ وہ ہندوستان جوکہ تمام دنیا کا محتاج الیہ تھا وہ سب سے زیادہ مفلس قلاش، مسکین، فاقہ مست، بے کمال، بے روزگار، گرانی اور پسماندگی کا شکار ہو گیا۔ یہ مظالم تو تھے ہی جنہیں مسلمان سب سے زیادہ تباہ ہوئے۔

وکٹوریہ کے اعلان ۱۸۵۸ء میں پر زور وعدہ کیا گیا تھا کہ اپنی قلمرو کو نہ بڑھائیں گے اور دوسرے علاقوں پر اب کے بعد قبضہ نہ کریں گے مگر تھوڑے ہی عرصہ تقریباً ۲۰ برس کے اندر افغانستان پر یکے بعد دیگرے چڑھائی کی اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا۔ چار مرتبہ حملہ کیے۔ آزاد مسلم علاقوں پر قبضہ کرتے رہے۔ صورت۔ بنیر، چترال۔ کوہاٹ۔ آفریدی علاقے۔ مسعودی علاقے۔ وزیری علاقے وغیرہ اور اسی طرح بلوچستانی علاقوں پر کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے۔ اور یکے بعد دیگرے خلاف عہد ان علاقوں کو اپنی قلمرو میں ملاتے رہے۔ وہاں کے باشندوں کو غلام بنایا۔ آزادی خواہوں کو قتل و غارت کیا۔

آپ اپنے ہی علاقہ کی تاریخ دیکھئے۔ یہ سب کچھ تو ہندوستان اور اس کے اطراف کے ملکوں پر ہوا ہی تھا۔ جو کہ ہمیشہ ہندوستان ہی کی غلام فوجوں وہاں کی رسدوں، ہتھیاروں وہاں کی نقدی طاقتوں کے ذریعہ سے

ہوتا رہا۔

مگر اسی کے ساتھ عراق، شام، مصر، فلسطین، عرب، شمالی لینڈ، مشرقی افریقہ سوڈان۔ برما وغیرہ کے اسلامی عروج کو پامال کیا۔ خلافت عظمیٰ کو زیر وزبر کیا۔ حجاز، جدہ، مکہ اور مدینہ پر چڑھائی کی۔ چناق قلعہ، سمرنا، استنبول وغیرہ میں کیا کیا نہیں کیا۔ اور ان مقامات میں خون کی ندیاں کیا نہیں بہائیں پھر اس پر طرہ یہ کہ یوروپین طاقتوں میں اسلامی ممالک کو تقسیم کیا۔ طرابلس، صحرائی لیبیا، درنہ، سورکن وغیرہ اٹلی کو، ریف اسپین کو۔ الجیریا، ٹیونس فاس مراکش وغیرہ فرانس کو، وسط ایشیا اور شمالی ایشیا کے ممالک بخارا، سمرقند، گرجستان، ازبکستان، داغستان، قرقستان وغیرہ روس کو برابر معاہدوں وغیرہ کے ذریعہ سے تقسیم کرتے رہے۔ ٹرکی سے بلگیریا یونان، مقدونیہ، رومانیہ، ہرسکٹ البانیہ، سرویہ مانٹینگیرو، کریٹ بلقان وغیرہ کو مجبور کر کے آزاد کراتے اور اسلامی طاقت کو فنا کرتے رہے ان دل خراش اور ہوش وحواس کو مٹا دینے والے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ جو کہ عموماً ان تین سو سال کے اندر یعنی تقریباً سنہ ۱۶۴۳ء سے سنہ ۱۹۴۳ء تک میں واقع ہوئے ہیں اور جن میں انگریز ہمیشہ ہمیشہ پیش رہے ہیں۔ پھر بتلائیے کہ انگریز کے برابر دنیا میں کس قوم نے آجتک اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔

ہندو تو آپ کا ایک ہزار برس یا زائد سے رعیت چلا آتا ہے۔ اور اس کو بھی اسی انگریز نے آپ کے مقابل کھڑا کیا اور بڑھایا ہے۔ اس لئے آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ آپ کا فریضہ کیا ہے۔ انگریز کو مٹانا اور انتقام لینا اور اس کے اقتدار کو گھٹانا یا ہندو کو۔ انگریز کو اپنے اقتدار کو باقی رکھنے اور اپنی تجارت وغیرہ کے لئے ضرورت ہے کہ آبنائے دورے بمبئی تک کا سمندر اور ان کے سواحل اپنے قبضہ میں و اقتدار میں رکھے۔ اپنے لئے امن دامان اور تجارت اس راستہ میں قائم کرے جس کی بناء پر اس کو بحر اٹلانٹک، بحرۂ روم، بحرۂ قلزم، بحر ہند، بحر فارس پر قبضہ کرنا اور اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہوائی جہازوں کے لئے سمندری جہازوں کیلئے لندن سے ہندوستان تک اگر مراکز اور مخازن نہ ہوں گے تو وہ ہندوستان میں اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے ان تمام ممالک کو جو کہ راستہ میں ہمیشہ زیر و زبر کرتا رہا۔ اور ہندوستان ہی کی فوجوں سے کرتا رہا۔ ہندو کو ان ممالک کے غلام بنانے اور ان پر اقتدار قائم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہندو میں بالفعل اتنی طاقت نہیں ہے جتنی انگریز میں ہے۔ اس لئے ماضی، حال، مستقبل میں سب سے بڑا دشمن انگریز ہی ہے۔ ہندو کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ مستقبل میں ایسا ہی یا اس سے زیادہ ہو جائے مگر یہ امر مظنون یا موہوم ہے۔ اسی

بناء پر ہمیشہ اکابر اسلام نے ہندوستان میں انگریز سے آزادی حاصل کرنا اور اس کے اقتدار کو مٹانا ضروری سمجھا۔ اور اسی بناء پر کانگریس بنائی گئی اور اسی لئے مسلمانوں نے اس میں شرکت کی اور اسی لئے جمعیۃ اس کے ساتھ اشتراک عمل کئے ہوئے ہے۔ جب تک ہندوستان مکمل آزاد نہ ہو جائے یعنی کم از کم تمام انگریزی فوجیں اور وائسرائے اور گورنر انگریز یہاں سے چلے نہ جائیں اور مکمل اختیارات ہندوستانیوں کی قبضہ میں نہ آجائیں۔ یہ فریضہ باقی ہے۔ ہاں اگر کانگریس یہ اعلان کردے کہ اب ہم انگریز کو یہاں سے نکالنا نہیں چاہتے تو بیشک ہم کو اس سے اشتراک عمل سے رکنا پڑے گا۔ باقی رہا ان مفادات کا حاصل کرنا جنکو آپ یا کوئی دوسری جماعت مسلمانوں کے لئے مستقبل میں مفید یا ضروری سمجھتے ہیں یہ بعد کا مسئلہ ہے۔ دفع ضرر منفعت سے مقدم ہے۔ اگر گاؤں میں آگ لگی ہے تو پہلے آگ بجھایئے پھر اپنی زمینوں کی تقسیم کا فیصلہ کیجئے۔ اگر آپ مریض ہیں تو پہلے مرض کو دفع کیجئے پھر تقویت کی فکر کیجئے گا۔

میرے محترم آپ خود جانتے ہیں کہ انگریز کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے "لڑاؤ اور حکومت کرو" اسی اصول اور عملدرآمد کے ذریعہ سے اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور آج تک قبضہ کئے ہوئے ہے۔ اسی اصول

کی بنا پر اس نے کانگریس کے مقابل ۱۹۰۶ء میں لیگ اور مہا سبھا کی
بنیاد ڈالی اور آج تک دونوں کو پالتا رہا اور بڑھاتا رہا۔ اور اسی اصول
کے مطابق جب بھی زمانہائے سابقہ میں آزادی کے لئے جدوجہد او بھری
تو اس نے لڑائی مختلف مقامات میں فرقہ وارکرائی اور جب قوت تحریک
آزادی فرقہ وارانہ فسادات بھی قوت پکڑتے رہے۔ اس جنگ عمومی کے
بعد چونکہ تحریک آزادی بہت قوت پذیر ہوئی ہے اس لئے یہ فرقہ وارانہ
فسادات بھی اسی پیمانہ پر ہیں۔ لیگ اور مہا سبھا اس کے آلہ ہائے
کار ہیں اس لئے دونوں خوب اودھم مچا رہے ہیں تاکہ یہ عذر ہاتھ لگے کہ
بغیر ہمارے (انگریزوں کے) ہندوستان میں امن وامان نہیں رہ سکتا اور
تاکہ ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے پنجاب۔ سرحد۔ سندھ اور بنگال
میں آواز اٹھے کہ سرکار (انگریز) آپ ہی کا راج ہمارے لئے بہتر ہے۔ آپ
نہ جائیے۔ اور یو۔ پی۔ بہار۔ مدراس بمبئی سے مسلمانوں کی آواز اٹھے کہ
سرکار آپ کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ آپ یہاں سے نہ جائیے۔
تو آقا صاحب (انگریز) دنیا میں یہ مشہور کریں کہ ہم کیا کریں ہم تو ہندوستان
کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے۔ ہم نے تو انتقال اختیارات کی تاریخ ایک
معین کردی تھی۔ اور ہم نے تو انتقال اختیارات کے لئے وائسرائے
بھی بھیجدیا تھا مگر ہندوستان کے عوام ہندو اور مسلمان ہمارا جانا نہیں

پسند کرتے - اور ہمارے ہی سایہ کو رحمانی سمجھتے ہیں - ہم مجبور ہیں -

محترما آپ غور سے واقعات کو دیکھیں اور تفتیش کریں - ان سب واقعات میں چرچل اور کنزر وٹیو اور ٹوری پارٹی کا کھلا ہوا ہاتھ ہے - اور ممکن ہے کہ دوسری پارٹیوں کا خفیہ ہاتھ بھی ہو - اگر آپ میرے پاس ہوتے تو میں انگریزوں کی شہادتیں بھی دکھلاتا -

میرے محترم تحریر میں سب باتوں کا لانا بہت مشکل ہے - اتنی فرصت کہاں سے لاؤں - ان حقائق پر غور کرنے کے بعد آپ اب ان تفصیلات پر نظر ڈالئے جو موجودہ فتنوں کی باعث ہو رہی ہے -

(۱) لیگ کا نظام ترکیبی کیا ہے - بالخصوص ورکنگ کمیٹی اور کونسل کا کیا اس میں نواب، مہاراجہ - سرکاری خطاب یافتہ - بڑے بڑے زمیندار علاقہ دار پینشنر وغیرہ سرکار پرستوں کا غلبہ اور اکثریت نہیں ہے -

(۲) کیا یہ لوگ ہمیشہ سے انگریز پرست نہیں رہے ہیں -

(۳) کیا لیگ نے انگریزوں ہی کی عنایتوں کے پیٹ سے جنم نہیں لیا - شملہ کے ڈیپوٹیشن ۱۹۰۶ء کو بعہد لارڈ منٹو اور اس کی تمام تفصیلوں پر نظر ڈالئے اور اگر پتہ نہ ہو تو کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" مطبع نظامی شہر بدایوں سے منگا کر دیکھئے -

(۴) کیا لیگ نے کبھی اپنی تمام عمر میں (بجز ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۹ء) کبھی

ہندوستان کی آزادی کے لئے کوئی جدوجہد اور قربانی کی ہے۔

(۵) کیا لیگ کے ہائی کمان اور اعلیٰ عہدہ داروں کو اسلام اور مذہب سے قریب کا تو درکنار دور کا بھی واسطہ رہا ہے یا اب موجود ہے۔

(۶) کیا لیگ کے زعماء میں کلیت یا اکثریت مخلص، غیور لوگوں کی ہے یا خود غرضوں، جاہ پرستوں کی وزارت اور عہدوں کے بھوکوں کی۔

(۷) کیا لیگ اور اس کے زعماء ہی نے اکثریت کے صوبوں کو ۱۹۱۶ء سے لیکر ۱۹۳۰ء تک نقصان نہیں پہونچایا۔ اور اپنی اغراض کے لئے اقلیت کے صوبوں میں ویٹج لیکر اکثریت کے صوبوں کو اقلیت میں نہیں لائے۔

(۸) کیا لیگ اور اس کے زعماء ہی نے ۱۹۳۱ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اقلیتوں کا معاہدہ وغیرہ کرکے مسلمانان ہند کو برباد نہیں کیا۔ اس معاہدہ میں انگریزوں اور اینگلو انڈین اور ہندوستانی عیسائیوں کے لئے بنگال میں ۳۱ نشستیں تسلیم کی گئیں۔

(۹) کیا لیگ اور اس کے زعماء بلکہ جملہ کارکنوں نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۵ء تک انتہائی تنفر اور عداوت کی آگ ہر پلیٹ فارم اور ہر پریس، و آرٹیکل اور ہر لیکچر وغیرہ میں فرقہ وارانہ نہیں لگائی۔

(۱۰) کیا لیگ اور اس کے اعمار نے اپنے اعلانات اور اشتعال آمیز بیانات

گے بعد وہلی میں کونسل بلا کر اکثریت عظیمہ سے ایک مرکز کو خلاف پاکستان قبول نہیں کیا اور ڈیلی گیشن کی تجویز کیا منظور نہیں کی۔

(۱۱) کیا پھر لیگ نے ۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں اس تجویز اور منظوری کو رد کر کے ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو ڈائرکٹ ایکشن کو پاس نہیں کیا۔

(۱۲) کیا ڈائرکٹ ایکشن پاس کرنے کے بعد لیگ کی طرف سے ہر جگہ کے لئے اعلان جہاد اور اشتعال انگیز تقریریں تحریریں پوسٹر وغیرہ شائع نہیں کئے گئے

(۱۳) کیا اس تاریخ ۱۶ اگست سے پہلے کہیں بھی ہندوستانی باشندوں میں عام فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے۔ یہی ہندو اور یہی سکھ وغیرہ یہاں بستے تھے۔ یہ فسادات اس وقت تک نہ ہوتے تھے۔

(۱۴) کیا ان فسادات عامہ کی ابتداء اور اسی صوبہ اور شہر سے ۱۶ اگست کو نہیں ہوئی جس میں تمام حکومت اور اقتدار لیگ کے قبضہ میں تھا۔

(۱۵) کیا نواکھالی اور ٹپرہ میں جو مظالم خلاف انسانیت اور خلاف شریعت واقع ہوئے وہ لیگ ہی کے کئے ہوئے نہ تھے۔

(۱۶) کیا ان مظالم کی داستانیں خود لیگ کے زیر حکم صوبہ اور وہاں کے اخباروں، تاروں، ٹیلیفونوں۔ ریڈیو سے مبالغہ آمیز شائع نہیں ہوئے کیا لیگ کی حکومت نے ان پر کوئی سنسر کیا تھا۔

(۱۷) کیا لیگ کی حکومت نے کوئی اطمینان بخش کارروائی ان فسادات کو

روکنے کی وہاں کی۔

(۱۸) کیا بہار اور گڑھ مکتیشر میں جو واقعات ہوئے ان میں یہی اعلان اور جذبہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ یہ نواکھالی اور مشرقی بنگال کے مظالم کا بدلہ ہے۔

(۱۹) کیا لیگ اور اس کے زعماء ہمیشہ یہی فلسفہ نہیں پیش کرتے رہے کہ مسلم اقلیت کے صوبوں میں جو معاملہ ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ کرے گی ہم اس کا بدلہ پاکستان میں ہندو اقلیت کے ساتھ عمل میں لائیں گے۔

(۲۰) کیا یہ فلسفہ صحیح تھا؟ جبکہ ابتداء مسلم لیگ نے مشرقی بنگال میں کی اور لیگیوں کی طرف سے اس پر کوئی ایکشن نہیں کیا گیا۔ اور بہار اور گڑھ میں اسی فلسفہ کا اعلان کرتے ہوئے ہندوؤں نے مسلمانوں پر مظالم کی بوچھاڑ کر دی تو ہم کو الزام دینے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

(۲۱) کیا ہر قسم کی اشتعال انگیزی، بھڑکانا۔ الٹی میٹم دینا، اعلان جنگ کرنا، مسلمانوں کی واحد نمائندگی کی دعویدار جماعت سے نہیں ہوا۔ غور فرمائیے قائد اعظم ایک کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کی مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہلاکو اور چنگیز خاں کے خونی باب کی پھر سے تقلید کریں گے؟ ہم بہترین حالات کی امید کرتے ہیں لیکن بدترین کے لئے تیار ہیں۔ ہمیں پاکستان سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی (ڈان ۱۰ اپریل ۱۹۴۶ء)

ڈائرکٹ ایکشن کا فیصلہ ہماری تاریخ اور ہماری پالیسی میں ایک انقلابی

قدم ہے۔ اور پاکستان کی جنگ کے لئے تیار رہتا ہے۔

(ڈان ۱۵ر اگست ۱۹۴۶ء)

(۳) ہندوستان میں زبردست خانہ جنگی ہونے والی۔ نئے سرے سے گفت وشنید شروع کی جائے۔ ملک کے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک خانہ جنگی دوئم گفت وشنید کے ذریعہ باہمی سمجھوتہ۔ (ڈان ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۶ء)

(۴) ڈائرکٹ ایکشن سے پاکستان حاصل کریں گے۔ (یکم اگست ڈان ۱۹۴۶ء)

(۵) مسلمانوں کو ایک زبردست جنگ کرنی ہے۔ خطرناک اور سنگین صورت پیدا ہوگئی ہے۔ ہم اس جد وجہد کی آگ سے کامیاب نکلیں گے۔

(۲۸ر اگست ۱۹۴۶ء)

(۶) نواب ممدوٹ ۲ر اپریل ۱۹۴۶ء "پاکستان حاصل کریں گے یا تباہ ہو جائیں گے۔

(۷) نواب لیاقت علی خاں ۳ر اپریل ۱۹۴۶ء "پاکستان کی جنگ کے لئے خون کا ہر قطرہ محفوظ رکھو۔ سب سے پہلے میں اس جنگ میں اپنا خون بہاؤں گا مسلمان ایک منظم فوج ہیں"

(۸) مسٹر سہروردی وزیر بنگال (دہلی کنونشن میں) پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کی آواز ہے۔ پاکستان نہ ماننے والے کے لئے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ بنگال کے مسلمان سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

(۹) خانبہادر اسمٰعیل۔ ۹؍اپریل ۱۹۴۶ء "پاکستان کے لئے کوئی قربانی زیادہ نہیں ہے"

(۱۰) خان بہادر اسمٰعیل۔ ۱۱؍اپریل ۱۹۴۶ء "ہم بہار کے مسلمان پاکستان کے لئے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے"

(۱۱) نواب سر محمد دم ۱۲؍اپریل ۱۹۴۶ء "پاکستان کو منظور نہ کرنے سے ہندوستان کا امن اور سلامتی خطرہ میں پڑ جائیں گے۔

(۱۲) مسٹر عبد القیوم۔ ۲۶؍اپریل ۱۹۴۶ء "ہم لڑیں گے اور دنیا کے لئے مریں گے"

(۱۳) بہار مسلم اسٹوڈنٹس کے سکرٹری۔ ۲۷؍اپریل ۱۹۴۶ء "بہار کے مسلمان طلبا پاکستان کے لئے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے"

(۱۴) اورنگ زیب خاں ۲۹؍اپریل "ہم پاکستان بھیک نہیں مانگتے بلکہ اسے بزور شمشیر حاصل کریں گے"

(۱۵) مسلم نیشنل گارڈ جمشید پور۔ ۸؍مئی ۱۹۴۶ء "اگر پاکستان نہ دیا گیا تو ہم وہ تباہی مچائیں گے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہ ملیگی"

(۱۶) خان بہادر اسمٰعیل کا مسٹر جینا کو تار۔ ۲؍جون ۱۹۴۶ء "ہم آپکے حکم کے منتظر ہیں۔ پاکستان کے لئے خون بہا دیں گے۔

(۱۷) نواب ممدوٹ ۵؍ستمبر ۱۹۴۶ء "جہاد شروع ہونے والا ہے تیار ہو جاؤ"

لیگ کے اخباروں کو ملاحظہ فرمایئے۔ ہم نے تو بہت تھوڑے نوٹ ڈان سے نقل کئے ہیں۔ کیا یہ ہندوؤں اور نیشنلسٹوں کو غیرہ کو الٹی میٹم نہیں ہے۔ کیا یہ سب کو ڈرانا دھمکانا اشتعال دینا نہیں ہے۔"

اب آپ ہی انصاف فرمایئے کہ الزام کس پر عائد ہوتا ہے آپ (مسلمانان لیگ) ہی اشتعال انگیز تقریریں کریں، چیلنج دیں، الٹی میٹم دیں، اعلان جنگ دیں۔ ابتدائی عمل کریں، تمام انتقامی کارروائیوں کی ابتدا عمل میں لائیں اور پھر مورد الزام دوسروں کو قرار دیں۔ میرٹھ میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ تو یہی تھا کہ "تلوار کا جواب ہم تلوار سے دیں گے۔" اس پر لوگ برافروختہ ہوئے۔ اس نے کیا غلط کہا ہے۔ وہ تو جواب کا لفظ کہتا ہے۔ جس کے معنی ظاہر ہیں کہ اگر ہم پر کوئی تلوار سے حملہ آور ہوگا تو ہم بھی جواب میں تلوار استعمال کریں گے۔ جبکہ لیگ تلوار اور خون بہانے وغیرہ سے دھمکاتی ہے اور پھر اس کے بعد عملی میدان میں نکل بھی آتی ہے تو جواب دینے والا مجبور ہے۔ وہ مورد الزام کیونکر ہو سکتا ہے۔ ابتدائی ظلم جس نے کیا وہ مورد الزام ہوگا یا جس نے جواب دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المستبان ما قالا فعلی البادی منہما (گالی گلوچ کرنے والے دو شخصوں نے جو کچھ بکا اس سب کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہے) جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

لایسب احد کم والدیہ الخ (آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے والدین کو گالی نہ دے۔ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ دنیا میں کوئی بھی اپنے والدین کو گالی دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں دوسرے آدمی کے والدین کو گالی دیتا ہے تو وہ دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے (لہذا اپنے اپنے والدین کو گالی دی) قرآن شریف میں ہے ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ الخ "تم کافروں کے معبودوں کو گالی مت دو ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو نادانی سے گالی دیں گے"۔ خلاصہ یہ کہ شرعی، عقلی، عادی ہر حیثیت سے چھیڑنے اور ابتدا کرنے والا ہی مورد الزام اور گنہگار قرار دیا جاتا ہے۔ اگر کسی نے گدھے کو چونکا لگایا اور گدھے نے لات مار کر نقصان پہونچا دیا تو یہ نقصان چونکا لگانیوالا ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ گدھا مورد الزام نہیں قرار دیا جاتا۔

پنجاب اور سرحد کے مظالم پر بھی غور فرمایئے۔ کہ ابتدا کہاں سے اور کس سے ہوئی۔ اور ان سب کے ساتھ ساتھ یہ بھی غور کیجئے کہ انسانی اور اسلامی شرافت ان تمام اعمال میں کہاں تک کام میں لائی گئی ہے وہ قوم جو کہ قرآن اور خاتم النبیین علیہ السلام کی تبع ہونے کی دعویدار ہے وہ کس طرح اپنے دائرہ سے خارج ہو رہی ہے۔ پھر کفار اگر کچھ جواباً یا بغیر جواب ناشائستہ اور بہلانہ اعمال کریں تو انپر کس طرح گرفت کی جاسکتی ہے

ہم پٹیل یا دوسرے متعصب اشخاص کے حامی نہیں ہیں مگر انصاف
اور معقولیت کو نظر انداز کیونکر کر سکتے ہیں۔ ہم کو کہا گیا ہے وقاتلوا
فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا (تم خدا کے راستہ
میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت
کرو) ہمکو کہا جاتا ہے۔ ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا
تعدلوا۔ اعدلوا۔ (تم کو کسی قوم کی عداوت اس جرم میں مبتلا نہ کر دے
کہ بے انصافی کرنے لگو۔) یہاں مسلمان ہی خود ابتدا کرتے ہیں اور خود
ہی تعدی کرتے ہیں اور آپ جذبات میں آکر جامہ سے باہر ہو رہے ہیں
میرے محترم بھائی اگر آپ حقیقت بین آنکھ سے دیکھیں گے تو آپکو
پتہ چلے گا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے انگریز کی پرانی اسکیم کے مطابق ہو رہا ہے
جو کہ ۱۹۳۱ء میں ظاہر ہو گئی تھی۔ مسٹر پلوڈن جج صوبہ یو۔ پی کے ایک خط
کا پریس کے ہاتھ لگ جانے پر اس کا اعلان ہو گیا تھا (دیکھئے پاکستان
کیا ہے حصہ اول مرتبہ حسین احمد دفتر مرکزی جمعیۃ علماء ہند دہلی) انگریز ان
اسلامی اکثریت کے صوبوں کو اپنی تجارتی منڈی اور ان کے بندر کراچی
کلکتہ۔ چاٹگام کو اپنا تجارتی ساحل اور وہاں کے باشندوں کو اپنا
غلام رکھنا چاہتا ہے۔ ہندو اکثریت کے صوبوں سے مایوس ہو چکا ہے
ان کو اور انکے سواحل وغیرہ کو چھوڑ کر مسلمانوں سے کام لینا چاہتا ہے۔

اور اسی کے کھیل رہا ہے۔ بہر حال اسی کا فتنہ ہے اور ہندوستانی مسلمان ہندو سکھ وغیرہ اس میں پھنس رہے ہیں۔ ذرا سوچ سمجھکر ٹھنڈے دل سے رائے قائم کیجئے۔ انگریز اور خود غرضوں کے آلۂ کار نہ بنئے۔ اگر احرار نے کوئی فیصلہ کیا ہے تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ خان برادرز نے صوبۂ سرحد کو آزادی کے قریب کیا ہے۔ ورنہ انگریز اور ہندو ریفارم اسکیم کے بھی روادار نہ تھے۔ وٹھل بھائی اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی رپورٹ اور بادشاہ خاں صاحب اور سرخپوشوں کی جدوجہد اور قربانیوں نے اثر ڈالا۔ یہ لیگی خواتین اور امرا جو کہ آج پیش پیش ہیں ہر زمانہ میں انگریزی کا ساتھ دیتے رہے اور قومی کارکنوں کو برباد کرتے رہے ہیں۔ یہ تو نہ دین کے ہیں اور نہ دنیا کے۔ کانگریس کا نواکھالی کے مظلومین کے لئے کچھ دینا اور بہار کے مظلومین کے لئے کچھ نہ دینا اگر ثابت ہو جائے تو آپ کی ناواقفیت ہوگی کہ اس کو مورد الزام قرار دیں۔ بہار کی کانگریسی حکومت اس وقت سے مسلمان پناہ گزینوں پر غذا اور کپڑوں اور دوسرے مصاریف جو کچھ خرچ کر چکی ہے اور آج انکے بسانے میں جو کچھ خرچ کر رہی ہے وہ اس مقدار سے کئی گنا زیادہ ہے جو کہ کانگریس نے نواکھالی وغیرہ کے مظلومین کو دیا ہے۔ بنگال کی حکومت نے مظلومین کو کیا دیا ہے۔ اس کی تحقیق فرمایئے۔ پھر ان سب سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی اگر آپ کے ذکر کئے ہوئے الزامات صحیح اور واقعی بھی ہوں تو عرض

یہ ہے کہ آیا ان کے ہوتے ہوئے وہ فریضہ جو کہ انگریز کے متعلق آپ پر عائد ہوتا ہے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ساقط ہو گیا فبہا و نعمت جو کچھ چاہیں فیصلہ کریں اور اگر ساقط نہیں ہوتا تو اپنی پوری جد و جہد انگریزی اقتدار کو مٹانے میں خرچ کیجئے اس کے بعد پھر انصاف سے اپنے حقوق برادرانِ وطن سے منوائیے۔ اور اس راستہ میں قربانیوں سے دریغ نہ کیجئے۔ ہم سب آپ کے ہم نوا اور ہمراہ ہیں اور ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری اس پریشان تقریر میں جس کو میں نے انتہائی عدیم الفرصتی کی بنا پر کئی دن میں لکھا ہے۔ آپ کے تمام شبہات کا جواب آگیا ہے ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ کسی نظام کے افراد کی غلط کاریوں سے اس نظام کو باطل نہیں کہا جا سکتا۔ جبتک کہ نظام ہی بدل نہ جائے۔ کانگریس ایک نظام آزادی اور افنا غلامی ہے۔ اس کے افراد میں بعض گمراہ بھی ہیں جبتک ایسے گمراہ لوگ اس نظام کو حسب الصاف رہنے سے بدل نہیں دیتے اس سے روگردانی صحیح نہ ہو گی۔ البتہ ان گمراہ افراد کے اعمال پر نکتہ چینی کرنی صحیح اور لازم ہو گی۔ جیسا کہ جمعیۃ کر رہی ہے۔ والسلام

اخیر میں آپکو اس پر بھی تنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اخباروں میں جو چیزیں چھپ رہی ہیں وہ سب صحیح نہیں ہوتیں۔ بالخصوص لیگی اخباروں میں۔ لہٰذا ان پر اعتماد غلط ہو بغیر تنقید اعتبار نہ کیا کریں

حسین احمد غفرلہٗ - ۲۳ جمادی الاول ۶۶ھ

امتیازِ مسلم

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والانامہ باعث سرفرازی ہوا - میں نہایت ہی عدیم الفرصت ہوں پھر اس پر طرہ یہ کہ بعض بیماریوں میں مبتلا ہو گیا - آج طبیعت کچھ سنبھلی ہوئی ہے تو مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں - مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمالیں -

(۱) ہر نظام سلطنت وسیاست میں مختلف شعبوں کیلئے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر ہے پولیس کا یونیفارم اور ہی، فوج کا اور ہی، سوار کا اور ہی، پیادہ کا اور ہی، بری فوج کا اور ہے، بحری فوج کا اور ہی، ڈاک خانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور ہے - پھر افسران کا اور ہے ماتحتوں کا اور، اور پھر اس پر مزید تاکید اور سختی یہاں تک ہو - کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا - تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہی - خاص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے - ندما اور وزرا مقربین کا اور - یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ اسکے مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے وہ جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہی - اسی طرح اگر کوئی دوسرے شعبہ کا یونیفارم پہنکر آجائے اور افسروں کو اطلاع ہو جائے - تو بھی اسی طرح یا اس سے زائد مجرم قرار دیا جاتا ہے - جس طرح بغیر یونیفارم آنیوالا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے -

اور جب طرح یہ امر ایک نظام سلطنت وحکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہی اسی

طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے اگر آپ تفحص کریں گے تو انگلینڈ فرانس، جرمنی، اٹلی، اسٹریا، امریکہ وغیرہ وغیرہ کو پائیں گے وہ اپنے نشانات، جھنڈے یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں۔ واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا اسی سے میدان جنگ اور ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات اسمیں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے ہیں کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجئے کوئی توہین کر دیجئے۔ کہیں سے اکھاڑ دیجئے۔ دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہو جاتی ہے یہ یونیفارم اور نشان صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں۔ بعض قوموں میں ہاتھ میں یا جسم میں کوئی گودنا گودا جاتا ہے بعض میں کان یا ناک چھید کر کے حلقہ ڈالا جاتا ہے۔ بعض میں بال باقی رکھے جاتے ہیں بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہے۔ الغرض یہ طریقہ امتیاز شعبہائے مختلفہ اور اقوام حکومت وملل کا ہمیشہ سے ہے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آتا ہے اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ اور کوئی حکومت اور کوئی قوم دوسرے سے متمیز نہ ہو سکے، ہم کو کسطرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی ہے، پولیس ہے۔ یا ڈاکیا۔ ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افسر ہے یا ماتحت۔ جرنیل ہے یا میجر۔ اسی طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی۔ امریکن ہے یا اسٹرین۔ وغیرہ وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور سمجھا جاتا ہے۔

(ب) جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم اور نشان کی محافظ نہیں رہی۔ وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہوگئی حتیٰ کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ اسی ہندوستان میں یونانی آئے۔ افغان آئے۔ آریہ آئے۔ تاتار آئے۔ ترک مصری اور سوڈانی آئے مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں۔ آج انہیں سے کیا کوئی ملت یا قوم منتبہ ہے؟ کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتلائی جا سکتی ہے؟ سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہوگئے۔ وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کر لیا تھا۔ دھوتی، چوٹی، ساڑھی۔ رسم و رواج وغیرہ میں انہیں کے تابع ہوگئے۔ اسلئے انکی ہستی مٹ گئی۔ باوجود اختلاف عقائد سبکو ہندو قوم کہا جاتا ہے۔ اور کسی کی قومی ہستی جس سے اسکی امتیازی شان ہو نہیں باقی رہی۔ ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں۔ پارشین قوم ہندوستان میں آئی۔ ہندو قوم اور راجاؤں نے انکو ہضم کرنا چاہا عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا معیشت اور زبان بدلوادی۔ مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجود و ممتاز ملت ہے۔ سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی یعنی سر اور داڑھی کے بال کو محفوظ رکھا۔ آج انکی قوم امتیازی حیثیت رکھتی۔ اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔ انگریز سولھویں صدی کے آخر میں آیا۔ تقریباً ڈہائی سو برس گذر گئے ہیں۔ نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہو مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ پتلون ہیٹ۔ بوٹ نکٹائی۔ اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ قوم والا ہند میں ہضم نہ کر سکا۔ اسکی قوم اور ملت علیحدہ ملت ہے۔ اسکی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے۔ مسلمان

اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے جب سے آئے ہیں۔ اگر وہ اپنی خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے۔ تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے۔ جیسے کہ مسلمانوں سے پہلے آنے والی قومیں ہضم ہو کر اپنا نام و نشان مٹا گئیں۔ آج پھر تاریخی صفحات کے ان کا نشان کرۂ زمین پر نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں نے صرف یہی نہ کیا کہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا ہو۔ بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا۔ چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے۔ صرف یہی نہیں کیا کہ پاجامہ۔ کرتا۔ عبا۔ قبا۔ عمامہ۔ دستار محفوظ رکھا۔ بلکہ مذہب، اسمار رجال۔ تہذیب و کلچر۔ رسم و رواج۔ زبان و عمارت وغیرہ جملہ اشیا کو محفوظ رکھا۔ اس لئے انکی ایک مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اسکی مراعات رہیگی۔ اور جب چھوڑ بیٹھیں گے مٹ جائیں گے۔

(۳) ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اسکی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم اس کا کلچر اس کا مذہب۔ اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک و اقوام میں پھیل جائے آریہ قوم کی تاریخ پڑھو۔ فارسیوں کے کارنامے دیکھو۔ کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو۔ دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے الوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی۔ عراق۔ سیریہ فلسطین مصر۔ سوڈان۔ الجیریا۔ ٹیونس مراکش فاس صحرائے لیبیا سینیگال حبرت وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا نہ مذہب اسلام سے نہ اسلامی رسم و رواج سے۔ مگر عربوں نے ان ملکوں میں اسطرح

اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کر دی کہ وہاں کے غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم، اسی کلچر، اسی تہذیب اور اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں۔ اسرائیلی قومیں کلدانی نسلیں، عبرانی خاندان۔ ترکی برادریاں بربری ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں رہ کے سب عربوں میں منہضم ہو گئی ہیں۔ اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا کچھ علم بھی ہے۔ تو وہ بھی مثل خواب و خیال ہے۔ رہ کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عرب ہی کے دعویدار ہیں۔ انگلستان کو دیکھئے یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے۔ کنیڈا آسٹریلیا۔ امریکہ۔ نیوزی لینڈ۔ کیپ کالونی۔ ساوتھ۔ افریقہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کر کے اپنی زبان۔ اپنی کلچر۔ اپنی تہذیب۔ اپنا مذہب۔ اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے۔ جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوتے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں منجذب ہو جاتے ہیں اور یہی حال ہندوستان میں روزافزوں ترقی پذیر ہے۔ ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی وہ مردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی آج اس کی اشاعت کی پرزور کوشش کر رہی ہے۔ اس کا لکچرار کھڑا ہوتا ہے اور فیصدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو غیر قابل فہم بنا دیتا ہے۔ خود اس کی قوم ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی۔ اور بالخصوص ان کا مذہبی واعظ تو تقریباً اسی یا نوے فیصدی الفاظ سنسکرت اور بھاشا کے بولتا ہے مگر یہ چیز اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے۔ بڑی بڑی گروکل اور ودیا پیٹھ اس زبان مردہ کو زندہ

کرنے کے لئے جاری کی جارہی ہیں حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کا بولنے والا موجود نہیں ہے۔ اور غالباً پہلے کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے۔ اسکا ایم۔ ایل۔ سی۔ ایم ایل اے۔ اسمبلی کا پریسیڈنٹ۔ کونسل کا پریسیڈنٹ۔ اس کی قوم کا جج۔ ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر قمیص پہنکر بر سر اجلاس آتا ہے۔ حالانکہ دھوتی میں پائجامہ سے بدرجہا زائد کپڑا خرچ ہوتا ہے پردہ بھی پورا نہیں ہوتا۔ سردی اور گرمی کی بھی پوری حفاظت نہیں ہوتی۔ باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا چوٹی سر پر رکھنا جنیو لگانا ضروری سمجھتا ہے یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار۔ قومی یونیفارم نہیں ہے تو کیا ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورتیں نہیں نکال رہا ہے گرونانک اور اس کے اتباع کرنیوالوں نے چاہا کہ اپنی تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں تو بال۔ اور سر کا نہ منڈانا۔ ڈاڑھی کا نہ کتروانا۔ یا نہ منڈانا۔ لوہے کے کڑے کا پہننا۔ کرپان کا رکھنا۔ قومی یونیفارم بنا دیا۔ آج اس شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے۔ اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکلیف سہتی ہے۔ مگر بالوں کا کتروانا۔ یا منڈانا قبول نہیں کرتی اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے۔ دنیا سے اسکی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اتر جاویگی۔

مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے لئے خصوصیات وضع قطع میں، تہذیب و کلچر میں، بود و باش میں۔ زبان اور عمل میں قائم کرلے۔ اس لئے ضروری تھا کہ

مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد۔ اخلاق۔ اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیا ویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے خصوصیات اور یونیفارم قائم کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہوا ان کے لئے جان اڑا دے اسکی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہوں جس سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں سے متمیز ہو۔ اور علیحدہ ہو جائے۔ اور انکی بنا پر باغیان اور بندگان بارگاہ الوہیت میں تمیز ہوا کرے۔ چنانچہ یہی راز "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" کا ہے۔ جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آجاتا ہے اسی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعداروں کے لئے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمایا کہیں فرمایا جاتا ہے "ہم میں اور مشرکین میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے"

فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس

او کما قال۔ اسی بنا پر مخالفت اہل کتاب سے مانگ نکالنے میں اختیار کیگئی اسی بنا پر ازار اور پاجامہ میں ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم کیا گیا۔ تاکہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے۔ اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے۔ نصاریٰ سے۔ مجوسیوں سے۔ مشرکوں سے۔ امتیاز اور علیحدگی کا حکم کیا گیا ہے۔ اور ان کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مردوں اور مردوں کو عورتوں سے بھی علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اور عورتوں کو یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے

والی عورت کو لعنت کی گئی ہے۔ انھیں امور میں سے عربی میں خطبہ رائج کرنا بھی ہے۔ انھیں امور میں سے مونچھ کا منڈانا اور کتروانا۔ اور ڈاڑھی کو بڑھانا بھی ہے۔

خالفوا المشرکین وفروا اللحی واحفوا الشوارب (مسلم ص۱۲۹ ج۱ بخاری ص۸۷۵ ج۲)

جزوا الشوارب ارخوا اللحی خالفوا المجوس (مسلم ص۱۲۹ ج۱)

من لم یاخذ من شاربہ فلیس منا (احمد۔ ترمذی۔ نسائی)

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوسی ڈاڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے۔ اور یہ امران کے مخصوص یونیفارم میں سے تھا۔ بنا بریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کے خلاف حکم کیا جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا ڈاڑھی منڈانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانہ میں عرب کے رواج کی وجہ سے ہی ہے۔ جو کہ انہیں جاری تھا۔ کہ ڈاڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھیں کٹاتے تھے غلط ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا۔ جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا۔ کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا۔ اسلئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف یونیفارم دیا جائے تاکہ تمیز کامل ہو۔ اسی طرح حدیث عشرۃ من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ والاستیاک الخ ابوداؤد وغیرہ بتلا رہی ہے کہ بارگاہ خداوندی کی خاص خاص مقربین اور ندیموں وانبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے یونیفارم میں سے

مونچھوں کا کتروانا۔ اور داڑھی کا بڑھانا ہے۔ کیونکہ فطرت انہی امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں بجائے لفظ فطرۃ کے "من سنن المرسلین" یا اس کے ہم معنی موجود ہے خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہ الوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے۔ اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے بھی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں اس لئے دو وجہ سے اس یونیفارم کا اختیار کرنا ضروری ہوا۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضائے فطرت اور عقل لازم ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے آقا کا سا رنگ ڈھنگ۔ چال چلن۔ صورت۔ سیرت۔ فیشن کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے۔ ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہ ہی رہا ہے اور یہی ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے۔ آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے۔ واقعات کو دیکھئے۔ اس بنا پر بھی جو ان کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں ہم کو اس سے انتہائی تنفر ہونا چاہیئے خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا کمیڈ سٹون فیشن ہو۔ خواہ وہ فرنچ فیشن ہو یا امریکن خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے۔ خواہ وہ زبان سے متعلق ہو۔ یا تہذیب

عادات سے۔ ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی امر طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے۔ کہ دوست کی سب چیزیں پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور پھر بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی وشعار ہو جائیں۔ اس لئے ہماری جد وجہد اس میں ہونی چاہئے کہ ہم غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامان کرزن۔ و ہارڈنگ۔ و فرانس و امریکہ وغیرہ۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازموں کو گھٹنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے۔ سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں۔ چھوٹے اور بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں۔ اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں کوئی ان کو ٹیڑھی اونچی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے غرا رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد و خاندان پائے جاتے ہیں۔ پٹیل کی ڈاڑھی کو دیکھئے برہمو سماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے یہ سب باتیں ہماری کمزوریوں کی ہیں۔

۱۹۴۲ء میں

مراد آباد ڈسٹرکٹ جیل سے

۱۹۴۲ء کی تحریک شروع ہونے سے کچھ ہی دن پہلے برطانوی گورنمنٹ نے ایک تقریر کی بنا پر جو بچھراؤں ضلع مرادآباد میں ہوئی تھی۔ اعلیحضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کو غالباً حفظ ماتقدم کی بنا پر گرفتار کرلیا تھا۔ اعلحضرت پہلے ڈسٹرکٹ جیل مرادآباد میں محبوس رکھے گئے۔ اور وہاں آپ پر مقدمہ چلایا گیا۔ پھر آپ کو نینی سنٹرل جیل الہ آباد بھیجدیا گیا۔ مقدمہ کے سلسلے میں حضرت والا نے جو بیان دیا اس کا تعلق اگرچہ والا نامہ جات سے نہیں۔ مگر ہو سکتا ہے کہ اس کے نہ ہونے سے کتاب کا ایک اہم جز تشنہ رہجاتا۔

میری تقریر کے بہت سے ضروری حصہ کو چھوڑ کر تقریر کا جو اقتباس اگزبٹ پی ۷/۵ کی شکل میں عدالت میں پیش کیا گیا وہ ایسا نا مکمل اور مسخ شدہ اختصار ہے جس میں سب سے ضروری حصہ کو حذف کر دیا گیا۔ میں نے تقریباً دو گھنٹہ تقریر کی تھی لیکن جو تحریر مسٹر گوئل گواہ ثبوت ۲ نے میری مکمل تقریر کی پیش کی ہے وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں پڑھی جا سکتی ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ پیش کردہ تحریر میری تقریر کا ایک بہت چھوٹا سا اقتباس ہے، جن جملوں کے متعلق مجھ سے دریافت کیا گیا ہے ان میں سے کچھ تو اپنی اگلی پچھلی عبارت سے علیحدہ کر کے پیش کئے گئے ہیں جن سے انکا مطلب بہت کچھ بدل گیا ہے۔ کچھ جملے صحیح طریقہ سے تحریر نہیں کئے گئے جن کی تفصیل صراحت کیساتھ سلسلہ وار جوابات میں تحریر کرونگا لیکن تفصیلی جوابات سے پیشتر یہ امر قابل غور ہے کہ جس جلسہ میں میں تقریر کر رہا تھا جمعیۃ علماء ضلع مراد آباد کی کانفرنس تھی۔ یہ کانفرنس ناظم اعلیٰ مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کے مطبوعہ سرکلر ۲ کے بموجب حفاظتی کمیٹیوں کے قیام ہندو مسلم اتحاد و اتفاق اور بچاؤ کی صورتوں کے سمجھانے کے لیے منعقد کی گئی تھی۔ مذکورہ بالا سرکلر ہمرشتہ بیان ہذا ہے۔ اس جلسہ میں سامعین سمجھدار اور تعلیم یافتہ اشخاص تھے۔ اس وقت اشتعال انگیزی کا کوئی موقعہ نہیں تھا۔ نہ اشتعال انگیز تقریروں کا میں عادی ہوں، گواہ ثبوت ۲ نے مری تقریر کا جو ٹوٹا پھوٹا

اقتباس پیش کیا ہے اس کے پڑھنے سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کو مستحکم کرنا میری تقریر کا منشار اور مقصود تھا۔ چونکہ میری آرزو ہے کہ ہندوستان کا حشر برما اور ملایا جیسا نہ ہو لہذا اس کے متعلق جو میری تقریر کا بڑا جزو تھا وہ میری تقریر سے قطعاً مفقود کر دیا گیا ہے۔ صرف ایک فقرہ تقریر کے آخر میں لایا گیا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ غیر ملکی حکومت کی جانب سے ان پابندیوں کی موجودگی میں جو ہندوستانیوں کو خود اپنا انتظام کرنے سے عاجز بنائے ہوئے ہیں ہندوستان اپنا شاندار کارنامہ دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتا۔ تاہم ہم لوگوں کو موجودہ خطرناک حالت میں اندرونی امن وامان قائم رکھنا جو بلا اتحاد کے نہیں ہو سکتا ضروری ہے۔ اور ہم کو کسی ایسی بیرونی طاقت سے جو ہم کو غلام بنانا چاہے خواہ وہ جاپانی ہو یا جرمنی کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ ہم آقا کی تبدیلی نہیں چاہتے۔ بس یہی میری تقریر کا پس منظر تھا۔ اور اس ہی روشنی میں اس کو پڑھنا چاہیے۔ تقریر کے ایک یا دو فقرہ کو اس کی جگہ سے نکال کر کوئی معنی پہنانا خلاف اصول وانصاف ہے (تفصیلی جوابات)

(فقرہ ۱) میدان جنگ میں ہندوستانی فوجوں کو سب سے آگے رکھا جاتا ہے۔

ہندوستانی فوجوں کی قابلیت اور ان کی اعلیٰ جنگی استعداد کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا۔ ہندوستانی فوجوں کی بہادری کی تعریف سرکاری اعلانات میں شائع ہوتی رہتی ہے۔ گرم ممالک میں خصوصیت سے وہ

یورپین فوجوں کے مقابلہ میں زیادہ کام کرسکتے ہیں اور جفاکش ثابت ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس استعداد اور قابلیت کے باوجود فوج کو ہندوستانی بنانے کی کوشش ابتک ناکام ہے۔ باوجودیکہ رہنمایان و بہی خواہان ہند عرصہ سے توجہ دلا رہے ہیں۔ اور باوجودیکہ فوجوں کو ہندوستانی بنا دینے سے صرفہ میں بہت کمی ہو جاتی۔ اور ایک بہت بڑی فوجی طاقت ہندوستان میں تیار ہو جاتی۔

رپورٹر نے اس اقتباس میں بہت زیادہ کانٹ چھانٹ کی ہے رپورٹر نے وہ الفاظ بھی نہیں لکھے جو میں نے اس سے پہلے اور بعد میں کہے تھے دفقرہ ۲۰) کے متعلق تحریر ہے کہ یہ میرا مقولہ نہیں ہے، سر ولیم جانسن ہکس ہوم سکرٹری انگلستان سنہ ۱۹۳۰ء میں کہتا ہے۔

ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے نہیں فتح کیا اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے نہیں ہیں۔ (تیج جلد ۸ ۲۷/۱ مورخہ ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء)

سنڈے ٹائمز مارچ سنہ ۱۹۳۰ء میں لکھتا ہے

ہمیں صاف طور سے واضح کر دینا چاہیے کہ اگر ہم ہندوستان میں

بحالی صحت کی غرض سے مقیم نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا ہے ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے اس لئے کہ ایسا کرنا ہمارے مفاد اور مصلحت کے سراسر خلاف ہے۔ ہندوستان میں رہنا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہمارا فرض ہے (مدینہ بجنور جلد ۱۹ ۲۲ مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء)

رپورٹر نے اگرچہ سر ولیم جانسن ہیکس کا نام صحیح طور پر نہیں لکھا مگر عبارت صحیح نقل کر دی ہے۔ بہر حال یہ جملہ جس کو نوٹ کیا گیا ہے میرا اپنا کلام نہیں ہے، ضمنی طور پر خود منظم ہونے اور منظم کرنے اور خدمت خلق انجام دینے اور فرقہ وارانہ اختلاف کو مٹانے کے لئے درمیان میں لایا گیا تھا۔ اگلی اور پچھلی عبارت ملاحظہ ہو۔

(فقرہ ۳) میں کوئی وجہ اعتراض کی نہیں معلوم ہوتی یہ بھڑکانا واقعی ہے اور غلط کار لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس سے آگاہ کر دیں۔ اور فتنہ پردازیوں سے بچائیں۔ اس کو خوامخواہ گورنمنٹ کی طرف منسوب کرنا عبارت اسپیچ کے بالکل خلاف ہے۔ پچھلی اور اگلی عبارت ملاحظہ کیجیے۔

(فقرہ ۴) میں کانگریس کے ممبروں اور اس کے نصب العین کے متعلق جو عبارت کہی گئی تھی، اس کو قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے جس کی عبارت بعینہ یہ ہے۔

اس طرح سے سب اقوام کے لوگ کانگریس کا ہاتھ بٹا رہی ہیں
اور یہ کوشش کر رہے ہیں کہ یہ پردیسی حکومت ہندوستان
میں نہ رہے۔"

مگر اس میں کوئی وجہ اعتراض کی نہیں سمجھ میں آتی کانگریس خلاف قانون جماعت نہیں ہے۔ وہ تمام ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ ہر مذہب اور نسل و برادری کے لوگ ہندوستانی اس میں شریک ہیں۔ اس کا نصب العین لاہور کے اجلاس سنہ ۱۹۲۹ء سے مکمل آزادی ہو چکا ہے اور تمام دنیا میں مشہور کیا جا چکا ہے اور ہر اجلاس عام میں اس کا اعادہ کیا جاتا ہے اور ہر سال اسی مکمل آزادی کا دن منایا جاتا ہے۔ اور یہی نصب العین مسلم لیگ کا سنہ ۱۹۳۷ء اجلاس لکھنؤ سے ہو چکا ہے اور یہی نصب العین خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء کا سنہ ۱۹۱۹ء سے چلا آتا ہے مکمل آزادی کے معنی یہی ہیں کہ ہندوستان کسی غیر ملکی حکومت یا قوم کے اختیار میں نہیں رہیگا اس لئے یہ جملہ کہ یہ پردیسی حکومت ہندوستان میں نہ رہے کسی طرح قابل اعتراض نہیں ہے۔ تمام ہندوستانی پارٹیاں اور انجمنیں بہ بانگ دہل اس کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ اور بالخصوص گاندھی جی اور کانگریس کی ورکنگ کمیٹی تو اس سے بھی آگے بڑھ کر مطالبہ کر رہے ہیں کہ غیر ملکی لوگ اور فوجیں ہندوستان سے جلد سے جلد چلی جائیں۔

(فقرہ ۵) میں جو جملہ قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے اس کو خود رپورٹر بھی مرا نہیں۔ بلکہ سر جان شور ہی کا جملہ قرار دیتا ہے۔ سر جان شور مشہور و معروف انگریز ہے۔ بنگال سول سروس سے اسکا گہرا تعلق رہا ہے ۱۸۳۷ء میں قانون ۱۸۳۲ء پر بحث کرتے ہوئے ایک طویل مقالہ لکھتا ہے جس میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں۔ جن کو میں نے اپنی تقریر میں ذکر کیا تھا۔

برطانیہ نے جو طرز حکومت قائم کیا ہے اس کے تحت ملک اور باشندگان ملک رفتہ رفتہ محتاج ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ان (پرانے تاجروں) پر جلد تباہی آگئی انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر مشکل ہے۔ (حکومت خود اختیاری ص ۲۷ منقول از کتاب دادابھائی صنم)

(فقرہ ۶) میں جو جملہ قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے اس کو بھی رپورٹر میرا جملہ قرار نہیں دیتا ہے۔ بلکہ ڈبلو ایس ولنگ کا قرار دیتا ہے۔ مگر یہ اسکی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے مسٹر ڈبلو ایس بلنٹ۔ رپورٹر نے میری تمام عبارت بھی نقل نہیں کی تمام عبارت یہ ہے۔

میں ہندوستانی مالیہ کے اسرار بہترین استاذوں سے حاصل کر رہا ہوں اور یہ معلم گورنمنٹ کے سکریٹری اور کمشنر وغیرہ ہیں۔

میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم اسی طرح ملک کو ترقی دیتے رہے
تو ایک دن وہ آئیگا کہ ہندوستانی مجبور ہو کر ایک دوسرے کو کھانے
لگیں گے کیونکہ اپنے ہم جنسوں کے سوا دوسری چیز ہی نہ مل سکے گی۔
(حکومت خود اختیاری صفحہ ۴۳)

ظاہر ہے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض چیز مجھ پر عاید نہیں ہو سکتی گورنمنٹ
کی مالی پالیسی قابل اصلاح اور توجہ ہے۔

(فقرہ ۷) میں رپورٹر نے بہت خلط ملط کر دیا ہے اور چند شخصوں کے قولوں کو
ملا دیا ہے جن کو میں نے علیحدہ علیحدہ ذکر کیا تھا سر جان شور کا قول تھا جو کہ
اس نے ۱۸۳۳ء میں قانون سنہ ۱۸۳۲ء پر بحث کرتے ہوئے لکھا تھا۔

لیکن ہندوستان کا عہد زریں گذر چکا ہے جو دولت کبھی اسکی
پاس تھی اس کا جزو اعظم ملک کے باہر کھینچ کر بھیجدیا گیا ہے
اور اسکے قدرتی ذرائع اس بدعملی کے ناپاک نظام نے معطل کر دیئے
ہیں جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت کو چند افراد کے فائدے
کی خاطر قربان کر دیا ہے۔ (حکومت خود اختیاری صفحہ ۲۶ از کتاب دادا بھائی صفحہ ۵۹)

دوسری جگہ وہ کہتا ہے۔

انگریزی مصنوعات سے ہندوستانی صنعت کی شکست پا جانیکو
اکثر برطانوی ہنر مندی کی فتح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ

انگریزی مظالم کی زبردست مثال ہے کہ انھوں نے نہایت تکلیف دہ طریقہ سے ہندوستانی مال پر محصولات لگاکر اپنے ملک کو صریحا فائدہ پہونچانے کی غرض سے ہندوستان کو مفلس بنادیا۔ (مسٹر جی۔ جی۔ ڈی۔ ایچ لارینیٹ۔ از دت جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ بحوالہ حکومت خود اختیاری صفحہ ۳۲)

مسٹر اینڈرہ بوسیم ۱۸۴۱ء میں سیمور کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے کہتا ہے ہندوستانیوں کے دروازے بند کردیئے گئے تو وہ زراعت کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ (حکومت خود اختیاری صفحہ ۶۷)

بروکس ایڈمسن کہتا ہے۔

یہ مالامال خزانے کروڑوں آدمیوں کی کمائی انگریزوں نے ہتھیا کر لندن اسی طرح بھیجدیئے تھے۔ وہ خزانے جس طرح رومیوں نے یونان اور پونٹس کے خزانے ہتھیا کر اٹلی بھیجدیئے تھے وہ خزانے کس قدر قیمتی تھے کوئی شخص نہیں بتا سکتا لیکن وہ کروڑوں اشرفیاں ہوں گی۔ آجکل یوروپین حکومتوں کے مجموعی خزانوں سے وہ خزانہ کہیں زیادہ تھا جو ہندوستان سے لایا گیا (ان ہیپی انڈیا صفحہ ۳۷۳)

جہاں تک مجھکو یاد ہے میں نے تقریریں اور چند اقتباسات کو پیش کیا تھا مگر رپورٹر نے بروکس کے قول کو بھی جان شور کی طرف منسوب کردیا۔ اور

"اینڈر وسیم" کے قول کو بھی اسی طرف منسوب کر دیا۔ بہر حال یہ اقوال مستند مورخین انگریزوں کے ہیں جن سے غلط پالیسیوں پر روشنی پڑتی ہے۔

اس کے بعد جو مصائب برطانیہ اور اس کے خزانہ اور قوم پر موجودہ جنگ کی وجہ سے پڑ رہی ہیں اور ان کا تذکرہ تقریروں میں کیا گیا ہے وہ اخباروں میں اور مشاہدہ میں آ رہی ہیں۔ ان پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ ان کو جس طریقہ سے اگزیٹ ۳ و ۵ وغیرہ میں تحریر کیا ہو وہ غلط ہے (فقرہ ۵) نمبر ۸ کے متعلق یہ تحریر ہے کہ یہی اس ایک غلط پالیسی پر تنبیہ ہے جو کہ ہندوستان اور انگلستان دونوں کے لئے باعث بربادی ہوئی اور عرصہ سے اس کو غلط طریقہ پر چلایا جا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کو ڈیفنس یعنی دفاع و استحفاظ کے لئے اپنی آمدنی میں سے اس قدر سالانہ خرچ کرنا پڑتا ہے جتنا کہ دنیا بھر میں کوئی ملک نہیں خرچ کرتا۔ بایں ہمہ ہندوستان میں ہوائی جہاز اور دیگر حربی سامان بنانے کے لئے اجازت دینے کو حکومت تیار نہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستانیوں کو فوجی افسر بنانے میں بھی حکومت پس و پیش کرتی رہی۔ حکومت کی اس غلط پالیسی کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اور اس کا علاج ہندو مسلم اتحاد اور آزادی قرار دیا تھا۔

(فقرہ ۹) میں دستکاری کی بربادی کو ذکر کیا گیا ہے جس کا ذکر سر جان شور اور مسٹر اینڈریو کیسم کے مقالوں میں آ چکا ہے منٹگمری مارٹن کہتا ہے۔

کہ "ہم نے ہندوستان کی صنعت اور دستکاری کو مٹایا ہے" پھر تجارت کی بربادی کو ذکر کیا گیا ہے۔ وہ سابقہ نوٹوں میں مندرجہ بالا انگریزوں سے نقل کیا ہے۔ تقریر میں انہیں لوگوں سے نقل کر کے کہدیا گیا تھا کہ یہ میرے یا کسی ہندوستانی کے اقوال نہیں بلکہ مستند مورخین ارباب سیاست انگریزوں کے ہیں۔ سر جان شور کے قول میں تھا کہ۔

انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور
اہل ملک کو اس قدر مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے"

اسی طرح تقریر میں ڈبلو جی پیڈر اور دوسرے مستند انگریزوں کے نوٹ ذکر کئے گئے تھے۔ ہندوستان کے اناج کے متعلق اعداد و شمار برابر شائع ہوتے رہتے ہیں چنانچہ سرکاری اعداد و شمار کی چوتھی اشاعت میں حسب ذیل اعداد و شمار ذکر کئے گئے ہیں۔

ہر منٹ میں اس غلہ کا اوسط جو ہندوستان سے باہر گیا۔

چاول ہر منٹ میں	گیہوں	دال مسور	دال ارہر	مونگ پھلی
۱۱۸ من	۶۵ من	۵۵ من	۵۰ من	۵۵ من

رائل اگریکلچر سوسائٹی سنہ ۳۳ء میں شائع کرتی ہے کہ ہندوستان سے گیہوں گیارہ کروڑ ۸۶ لاکھ ۸۳ ہزار ۷۱ من باہر گیا۔ اس حساب سے فی منٹ تقریباً دوسو تینس من گیہوں کا باہر جانا ثابت ہوتا ہے۔ سنہ ۲۸-۲۷ء میں

ہندوستان سے چاول اکیس لاکھ ۸۶ ہزار ۷ سو ۶۰ ٹن باہر گیا جس کے ۶ کروڑ ایک لاکھ ۳۵ ہزار ۹ سو من ہوتے ہیں جس سے فی منٹ ایک سو سولہ من چاولوں کا نکلنا ثابت ہوتا ہے۔ (مالیات عامہ صفحہ ۱۷۸)

خلاصہ کلام یہ کہ باہر جانے میں بھی گورنمنٹ کی پالیسی غلط ہے اسکو ضروری ہے کہ ملک کی ضرورتوں کا خیال اور انتظام کرنے کے بعد زائد مقدار کو ملک سے باہر جانے کی اجازت دے۔

(فقرہ ۱) میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ بھی صحیح واقعہ ہے۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب سابق وزیر تعلیمات صوبہ بہار نے ابھی چند دن گذرے وارد ہا میں اس کو بیان کیا تھا کہ ان کے زمانہ وزارت تعلیمات میں جبکہ انھوں نے کوشش کی کہ اسکولوں اور کالجوں کے اندر فوجی تعلیم جاری کی جائے۔ تاکہ اگر برطانیہ کو کوئی ضرورت پیش آئی تو فوجی تعلیمیافتہ نوجوان بکثرت مل سکیں۔ تو اس مقصد میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو مشکلات پیش آئیں۔ جنکی وجہ سے شملہ جانا پڑا وہاں ایک فوجی ذمہ دار افسر نے ان سے باتیں کیں۔ اور بالآخر ان کو بے نیل و مرام شملہ سے واپس آنا پڑا۔ اس تمام واقعہ کو متعدد اخباروں نے نقل اور شائع کیا۔

برطانوی ذمہ دار اشخاص کا بے پرواہ ہونا اور اپنے دشمنوں کو حقیر سمجھکر ٹھکرا دینا نہایت غلط پالیسی ہے۔ جس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اور اسی کی وجہ سے برطانیہ سخت مشکلات سے دوچار ہو رہی ہے۔ کیا ان مشکلات کی نہایت دردناک صورتیں یورپ اور ہندوستان کے اخبارات شائع نہیں کرتے۔ اور برطانیہ کی انتہائی پریشانی کو خود انگلستان والے نہیں بیان کر رہے ہیں۔ "دن کو تارا نظر آیا" عرف میں مشکلات ہی سے عبارت ہوتا ہے۔ بہر حال ان جملوں کے بعد کی تمام عبارت حذف کر دی گئی ہے میں نے دکھلایا تھا کہ جنگ ہندوستان کے دروازہ پر آگئی ہے۔ جاپان مشرق سے بڑھتا ہوا آرہا ہے۔ ملایا، برما وغیرہ کا جو حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ مغرب کی طرف جرمنی کوشش کر رہا ہے۔ نتیجہ معلوم نہیں مگر اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں ہندوستان میں بھی یہ آگ نہ پھیل جائے۔ ہندوستان اس وقت اس طرح ہے جیسے کہ قینچی کے دو پھلوں کے بیچ میں کپڑا ہوتا ہے۔ ہم میں یہ طاقت تو نہیں کہ کسی کا مقابلہ کریں۔ کم از کم یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ اپنے قصبات، دیہات شہروں کی مکمل حفاظت کریں۔ اور جس قدر ممکن ہو عام آدمیوں کی مصیبتوں کو دور کریں اس لئے منظم کمیٹیاں تمام آبادیوں میں بنانی چاہئیں جن میں کسی مذہب کسی برادری اور کسی نسل کی تخصیص نہ ہو اس کے لئے پوری جدوجہد کرنا ہندوستان کا اس زمانہ میں اولین فریضہ ہے۔ اس مضمون کو میں نے بہت وضاحت سے بیان کیا تھا۔ رپورٹر نے قصداً اسکو ذکر نہیں کیا

دفعہ ۱۲۱ الف کے جواب میں تحریر ہے کہ میں نے اپنی تقریر کے شروع میں یہ بتلایا تھا کہ ہندو مسلمانوں کو لڑانے کا باعث انگریزی حکومت ہے۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ حکومت کی پالیسی ایسی ہی رہی جس سے ہندو مسلمان آپس میں صلح سے نہ رہ سکیں۔ یہ چیز اتنی عام ہے جو محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ہندوستان کے بچہ سے بھی پوچھا جائے تو وہ کہیگا کہ ہندو مسلم نفاق کا باعث انگریزی حکومت کی غلط پالیسی ہے۔ حکومت کے خیال میں وہ پالیسی خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے نہ ہو لیکن اس کا اثر یہی ہوا کہ ہندو مسلمان لڑ گیا۔

اس حقیقت کا اظہار کوئی جرم نہیں ہو سکتا اور میری تقریر کے موضوع کے لئے یہ ضروری تھا کہ واضح کر دوں کہ ہندو مسلم دراصل دو لڑنے والی قومیں نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی آپس کی مخالفت مصنوعی ہے۔ جو حکومت کی غلط پالیسی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اس تمام توضیح و تفصیل کے بعد گزارش ہے کہ اگر ہندو مسلم اتحاد مادر وطن کی آزادی موجودہ جنگ کے نازک زمانہ میں باشندگان ملک کے جان و مال کی حفاظت اور اس کی تلقین جرم ہے تو میں یقیناً مجرم ہوں۔

مرکز العلوم دیوبند

میں

"قومی کتاب گھر" ایک ایسا قومی ادارہ ہے جہاں آپ کو ہر قسم کی سیاسی، درسی، علمی، اور اصلاحی کتابیں بکفایت ملیں گی۔ ہندوستان کے مشہور مکتبوں کے علاوہ مصر دمشق، بیروت، استنبول اور مدینہ منورہ کے مشہور مکتبوں کی کتابیں جب بھی آپ کو درکار ہوں تو آپ انہیں اسی مکتبہ سے طلب فرمائیں یہ ایک قومی ادارہ ہے۔ اسکا واحد مقصد علوم نافعہ کی ترویج و اشاعت ہے اسلئے یہ بجا طور پر آپکی اعانت و امداد کا مستحق ہے۔

آپ کا بھائی سید فرید الوحیدی فیض آبادی

منیجر:- قومی کتاب گھر دیوبند